افکارِ مہری
مکارم الحق مکارم
فضیلت محل رامپور

مُرتّبہ

مکارم الحق مکارم

ناشر

فضیلت محل لکھنؤ گوٹہ اسٹور۔ دکان نمبر ۱۵
شاداب مارکیٹ۔ رام پور، یوپی

مرتب : مکارم الحق مکارم
سرورق : حسن الیس ریاض
سنہ اشاعت : ۱۹۹۴ء
کتابت : محمد عارف خاں۔ رام پور
تعداد : ایک ہزار
مطبع : العُلا پبلیکیشنز، نئی دہلی
قیمت : 50.00

## کتاب ملنے کے پتے :-

۱۔ فضیلت محل لکھنؤ گوٹہ اسٹور۔ دکان نمبر ۱۵۔ شاداب مارکیٹ۔ رام پور۔ یو، پی
۲۔ کانپور بوٹ ہاؤس۔ ۱۴۴ اے۔ سر کلر گارڈن ریچ روڈ۔ خضر پور۔ کلکتہ ۲۳
۳۔ العُلا پبلیکیشنز۔ دوسری منزل، جواہر سنگھ مارکیٹ، کوچہ چیلان، دریا گنج دہلی ۲

چمکتی ہے مری روداد شہکارِ جنوں بن کر
خرد کی داستانوں میں سنا ہے روشنی کم ہے

❋

نام :- مولوی حافظ مفاضل الحق مہری رام پوری
آبِ وجد :- مولوی حافظ افضال الحق رح رامپوری ابن علامہ مولوی فضلِ حق رح رامپوری۔
سن پیدائش :- ۱۹۲۵ء مطابق ۱۳۴۵ھ — مفاضل الحق مہری ۱۳۴۵ھ
استاد :- ڈاکٹر رضی ناطقی (کلکتہ) شاگرد علامہ ناطق لکھنوی
جائے پیدائش :- کوچہ لالہ میاں۔ رام پور یو پی
تاریخ وفات :- ۲۲ مئی ۱۹۹۱ء مطابق ۷ ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ بروز بدھ
آخری آرامگاہ :- مدفن محلہ گھیر طوغاں۔ رام پور یو پی

اُمُّ المکارم نسیمہ خاتون (غَفَرَاللّٰہُ لہا)

بنت حاجی محمد محسن کوکبؔ مرادآبادی

کے نام

❊

# اِشاریہ

صفحہ


| | |
|---|---|
| عرضِ مرتّب | ۷ |
| مضامین | ۱۰ |
| نعتیں | ۴۳ |
| غزلیات | ۴۷ |
| قطعات و متفرقات | ۱۳۷ |
| خراجِ عقیدت | ۱۶۴ |

صفحۂ دہر کی عظمت میں اضافہ ہوگا
کچھ مورخ مری روداد رقم کرتے ہیں
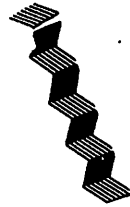
عربی کا ایک مقولہ ہے "اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ" (بیٹا باپ کا راز ہوتا ہے)
حافظ مفاضل الحق مہری مرحوم، میرے والد ماجد، میرے استاد اور میرے آئیڈیل تھے۔
میں نے اپنے والد مرحوم کو جلوت و خلوت دونوں میں دیکھا ہے۔ ان کے افکار و خیالات
اور افعال و اعمال کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ افکار و خیالات کے اعتبار سے وہ درویش
اور افعال و اعمال کے لحاظ سے بادشاہ تھے۔ اُن کی ہر ہر بات میں ایک انفرادی شان
ہوتی تھی۔ وہ بے شمار خوبیوں اور صلاحیتوں کے تنہا مالک تھے میں یہ بات فخر کے طور
پر کہتا ہوں کہ مجھ میں اور میرے ہر ایک بھائی میں ان کی کسی نہ کسی خوبی اور صلاحیت
کی جلوہ گری پائی جاتی ہے۔ میرا اور اُن کا رشتہ ایک باپ اور بیٹے کے علاوہ
اکثر و بیشتر کبھی ایک استاد اور شاگرد کا، کبھی ایک مرشد اور مُرید کا، کبھی ایک
رازگو اور رازداں کا، کبھی ایک حاکم اور محکوم کا اور کبھی ایک دوست اور دوسرے
دوست کا بھی رہتا تھا۔ وہ زندگی کے ہر معاملے میں سچائی اور خلوص کے دلدادہ اور
جھوٹ اور مکر سے متنفر تھے۔ وہ مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے اور کہتے تھے
کہ ہمارے والد مرحوم بھی ہم پر اتنی ہی شفقت فرماتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ
ان کے والد مرحوم بھی ان پر ایسی ہی شفقت فرماتے تھے۔

رشتہ کے اعتبار سے میں نے اُن کے متعلق جو کچھ لکھا وہ مبالغہ ہو سکتا ہے لیکن خدا گواہ ہے کہ میں نے ہرگز غلو سے کام نہیں لیا ہے بلکہ جو کچھ سپردِ قلم کیا ہے وہ حقیقت و واقعیت ہے۔

مہری صاحب کو اپنے پیر و مرشد سے بے حد عقیدت تھی۔ وہ انتہائی پابندی سے اپنے پیر و مرشد کو خط لکھا کرتے تھے اور ان کی طرف سے پابندی سے جواب بھی آتا تھا۔ جیسا کہ میری معلومات میں ہے کہ والد ماجد مہری صاحب حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رح کے صاحبزادے حضرت سیدنا شاہ غلام محی الدین صاحب گولڑوی عرف بابو جی رح سے بیعت تھے جبکہ جدِ امجد مولانا افضال الحق صاحب مرحوم رامپوری حضرت سیدنا پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رح سے بیعت تھے۔

مہری صاحب کو سیاست سے دلچسپی نہیں تھی۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ محفل میں سیاسی گفتگو سے بھی گریز کرتے تھے۔ ان کے حلقۂ احباب میں ہر مکتبۂ فکر کے لوگ شامل تھے لیکن سیاسی حضرات کا فقدان تھا۔ مگر عالی جناب عزت مآب محمد اعظم خاں صاحب وزیر اترپردیش سرکار سے محبت کرتے تھے۔ ان کی تقریر سننے کے لیے جلسہ میں ضرور جاتے تھے۔ یہاں تک کہ آخری ایام میں بیماری کی حالت میں رکشا میں بیٹھ کر محترم محمد اعظم خاں صاحب کی تقریر سننے کے لئے جلسہ گاہ تک پہنچے ہیں۔ فرمایا کرتے تھے: "یہ شخص جب تقریر کرتا ہے تو مجمع پر ہیبتِ حق طاری ہو جاتی ہے"۔ دوستی میں ہمیشہ اخلاص کے خواہاں رہتے تھے۔ برجستگی ان کی فطرت میں داخل تھی۔ ایک مرتبہ برجستہ طور پر اپنے چند مخصوص دوستوں کی تعریف اس طرح بیان کی تھی۔ ے

عزیزوں میں ہمارے نیک خو مطلوب صاحب ہیں
کہ محبوبوں میں بھی تقدیر سے ایوب صاحب ہیں

کوئی ہادی سا مخلص آج تک ہم نے نہیں پایا
رئیسِ رامپوری بھی نہایت خوب صاحب ہیں

مہری صاحب نے غزلوں کے علاوہ بے شمار قطعات اور تہنیتیں بھی کہی ہیں جن کو اس مجموعہ میں شامل کرنا مشکل ہے۔ نمونے کے طور پر اس مجموعہ میں کچھ قطعات، کچھ نظمیں، چند نعتیں اور ایک معرکۃ الآرا تہنیت شامل کی گئی ہے جن سے افکارِ مہری کو سمجھنے میں آسانی ہو سکے۔

غزلوں کے انتخاب میں میرے اساتذہ حضرت خیالؔ رامپوری صاحب اور پروفیسر آفتاب شمسی صاحب نے میری مدد فرمائی ہے۔

میں انتہائی شکر گزار ہوں حضرت خیالؔ رامپوری صاحب، پروفیسر آفتاب شمسی صاحب، جناب رفیقؔ بارہ بنکوی صاحب، جناب پرویزؔ انجم صاحب۔ ڈاکٹر خالد جاوید شمسی صاحب، جناب رئیسؔ رامپوری صاحب، جناب مطلوب النبی صاحب اور برادرم حافظ مستجاب الحق کا جنھوں نے اپنے اپنے خیالات و تاثرات کو قلم بند کر کے والد صاحب مرحوم کی شخصیت اور شاعری کا احاطہ کیا ہے۔

ناسپاسی ہوگی اگر جناب محمد عارفؔ خاں صاحب کا شکریہ ادا نہ کروں، جنھوں نے انتہائی توجہ اور لگن سے اس مجموعہ کی کتابت کی ہے۔

حق تلفی ہوگی اگر جناب سلمان شمسی ندوی صاحب کا شکر گزار نہ ہوں جنھوں نے اس مجموعہ کو اپنے ادارے "العلا پبلیکیشن" سے طباعت و اشاعت کے مراحل طے کرائے۔

مکارمُ الحق مکارم
۳۱ر اگست ۱۹۹۴ء

فضیلت محل لکھنؤ گوٹہ اسٹور
دکان نمبر ۱۵۔ شاداب مارکیٹ
رام پور۔ یو پی

# تعارف

## حضرت خیال رامپوری

کسی بھی فنکار کا ذکر کرتے وقت اوّلیت اور اہمیت اس کے فن کو حاصل ہوتی ہے اظہارِ فن کے نادر اور اعلیٰ نمونے اس کا طرّہ امتیاز بنتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فنکار کے ذاتی شرف اور بزرگوں کی قد آوری کا حوالہ دیے بغیر تعارف نامکمل رہتا ہے۔

مولوی مفاضل الحق صاحب مہری مرحوم کے والد بزرگوار مولانا افضال الحق صاحبؒ بڑے جید عالم اور اپنے دور کے کاملِ علوم و فنون تھے۔ تمام عمر درس و تدریس ہی میں مصروف رہے۔ مدرسہ عالیہ رام پور میں علمی خدمات انجام دیتے رہے، اور یہ ذاتِ والا فرزندِ ارجمند تھی مشہور زمانہ فلسفی و منطقی ماہرِ علوم، استاذ العلما رعلاّمہ مولوی فضل حق صاحب رام پوری مرحوم کی۔ ان دونوں بزرگوں کے تلامذہ کا سلسلہ صرف رام پور یا ہندوستان تک ہی نہیں بلکہ بیرونِ ہند بھی پھیلا ہوا ہے۔

مہری صاحب کے جدِ امجد کی تصانیف اور مختلف حواشی کی بھی بڑی تعداد ہے جن میں کچھ مطبوعہ ہیں اور کچھ غیر مطبوعہ۔ آپ مدرسہ عالیہ کلکتہ اور مدرسہ عالیہ رامپور میں بہ حیثیت پرنسپل رہے جس سے اس پورے دور کا علمی احاطہ ہو جاتا ہے۔

جاری صدی کے ابتدائی دور میں ان علوم کی کوئی اہم شخصیت کتنی کاوشوں

اور دیدہ ریزی کے بعد ابھرتی تھی کوئی بھولی بسری بات نہیں۔ ہندوستان میں ان علوم کے عروج کا وہ قابلِ قدر اور اخیر دور تھا۔ جس کی یادگاریں نصف صدی کے بعد تک نظر آتی رہیں۔

اس مختصر پیش تعارف کے بعد مہری صاحب مرحوم کے بارے میں بھی خود بخود ایک رائے قائم ہو جاتی ہے۔ گھریلو ماحول کے اعتبار سے ان کی معلومات علمی اور رجحانِ طبعی کا بھی خوب اندازہ ہو جاتا ہے لیکن یہ راز ابھی تک پس پردہ ہے کہ مہری صاحب مہری کب بنے اور اس تخلص کے پیچھے کیا راز ہے۔ حالانکہ کسی شاعر کے تخلص کے لیے کسی راز کی ضرورت نہیں۔ کبھی تخلص نام کا جز ہوتا ہے کبھی کسی نسبت سے مگر زیادہ تر ایسا ہے کہ نسبت اور نام کا جز ہوئے بغیر تخلص ہوتے ہیں۔

مہری صاحب شعور ہی سے سیدنا مہر علی صاحبؒ (گولڑہ شریف) کے مرید تھے۔ اور یہ سعادت بھی انہیں وراثت میں ملی تھی۔ اس صوفیانہ رجحان اور تصوّف کی گدازی کیفیات نے جہاں روحانی روشنی دی وہاں ان کی شاعری کو بھی تازگی بخشی۔

مہری صاحب کا حافظہ بہت قوی تھا۔ ہزاروں شعر فارسی کے اور اُردو کے اشعار کی کوئی گنتی نہیں جو انھیں یاد تھے، اور شعر کو مناسبت سے برمحل استعمال کرنا ان کی فطرتِ ثانیہ تھی۔ اکثر ملاقات شروع ہی کسی شعر سے ہوتی تھی۔

حضرت مہری صاحب کے بارے میں جب بھی کچھ لکھنے کا خیال کیا اور چاہا کہ عزیزم مکارم الحق مکارم کی فرمائش جلد از جلد پوری کر دوں اُتنی ہی تاخیر ہوئی۔ جب بھی اس ارادے سے بیٹھا ایک سراپا سامنے آگیا اور اس نے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

کیسی حسین و جمیل شخصیت، کیا پُرکشش آفتابی چہرہ، خوشنما اور بھری ہوئی داڑھی، لبوں پر پان کی سُرخی اور تنخیں، نیچی شیروانی، اونچی باڑھ کی ٹوپی، گداز جسم، مسکراتی آنکھیں، کشادہ پیشانی، غرضیکہ حسن و خوبی کا ایک مجسمہ اور اس پر

طرہ یہ کہ "تواضع اس کی فطرت انکساری اس کی عادت تھی" بے انتہا مخلص اور آئینۂ اخلاق و مکارم۔

مہرؔی صاحب بہت باذوق سامع کی حیثیت سے مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اس زمانے میں مشاعرے رات رات بھر چلا کرتے تھے اور رامپور کی ادبی محافل اپنے شباب پر تھیں۔ بڑے بڑے اہم استاد موجود تھے جن کی تعداد بیس سے کم نہیں۔ اور کہنہ مشق تو بے شمار تھے۔ مہرؔی صاحب شعر کی داد بہت مخصوص لہجے میں دیا کرتے تھے اور اچھے شعر پر تو گویا پھڑک جاتے تھے۔ اکثر و بیشتر شعرا مہرؔی صاحب کو شعر پڑھتے وقت متوجہ بھی کرتے تھے۔ آخر یہی شعر فہمی اور شعر پسندی انھیں شاعر بنا کر رہی، اور تقریباً ۱۹۶۰ء میں مہرؔی صاحب ایک شاعر کی حیثیت سے مشاعروں میں شریک ہونے لگے چونکہ ان دنوں کلکتہ میں کاروبار کے سلسلے سے زیادہ قیام رہتا تھا۔ حضرت رضیؔ ناطقی کلکتوی (شاگرد حضرت ناطقؔ لکھنوی) سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

نمونۂ کلام کے طور پر میں چند شعر لکھ رہا ہوں جو ان کی طبیعت کے آئینہ دار ہیں۔

ترے چھپنے سے کیوں اہلِ جہاں کو
مری صورت پہ دھوکا ہو گیا ہے

✻

محبت شیوۂ تسلیم ہی کو ہم سمجھتے ہیں
کوئی مجبور کرتا ہے، کوئی مجبور ہوتا ہے

✻

دعوتِ فکر بھی دیتا ہے ہر اک عکسِ جمال
یوں تو مشہور ہے آئینوں کا حیراں ہونا

✻

یہ مدرسۂ عقل ہے وہ علم کا مکتب
وحشت نے کہا مجھ سے اِدھر جا نہ اُدھر جا

❋

پاؤں کس کے ڈگمگائے کون ہے ثابت قدم
وقت کے دھارے پہ سب کا امتحاں ہو جائے گا

❋

اتفاقاً میرے لب پر آگیا تھا ایک نام
جانے کیوں اس نام سے تسکینِ جاں ہونے لگی

❋

اب مجموعۂ کلام آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ان کے اشعار تفصیل سے پڑھیے اور دادِ سخنوری دیجیے۔

خیالؔ رام پوری
۲۵ر جولائی ۱۹۹۲ء

# مہرؔی کی شاعری

پروفیسر آفتاب شمسی

حضرت ابوالمکارم حافظ مفاضل الحق مہرؔی مرحوم کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ رام پور اور کلکتہ کے شعری اور ادبی حلقوں میں اُن کی جو قدر و منزلت تھی اُس سے ہم سب واقف ہیں۔ سانحۂ ارتحال سے قبل چونکہ عرصۂ دراز تک علیل رہے اور زندگی کے آخری ایام میں ذہنی توازن بھی کھو چکے تھے اس لیے اُن کے اعزّہ و احباب اُن کی شیریں اور ادبی گفتگو سے یکسر محروم ہو کر رہ گئے تھے۔

شاعری یا کوئی بھی ادبی کاوش دل و دماغ کی صحت کے بغیر وجود میں نہیں آتی اُن کو اس حال میں دیکھ کر جب ان کے تخلیق کردہ اشعار کی فکر انگیزی اور رعنائی کے بارے میں سوچتا تھا تو مجھے اپنا ہی ایک شعر یاد آتا تھا۔ ؎

آج اُسے راہ میں دیکھا تو نہ آتا تھا یقیں
کل اسی شخص نے طوفان اٹھایا ہوگا

اب جبکہ اُن کے فرزندِ ارجمند عزیزی مکارم الحق مکارؔم نے اُن کی غزلیات کا انتخاب شائع کرنے کا نیک ارادہ کیا ہے اور اُن کے انتخابِ کلام پر مجھ سے بھی کچھ لکھنے کی فرمائش کی گئی ہے تو اُن کی غزلیات کا مطالعہ کرتے وقت گویا مرحوم سے ملاقات کا سا لطف محسوس کر رہا ہوں۔

مہرؔی صاحب قدیم وضع قطع اور قدیم فکر و نظر کے آدمی تھے۔ اس لیے ان کی شاعری پر اُردو شاعری کی صحت مند روایات کا اثر غالب ہے۔ کلاسکی شاعری میں جو رکھ رکھاؤ اور فنّی پختگی ہوتی ہے۔ میرے خیال میں وہی مہرؔی صاحب کی شاعری کا طرّۂ امتیاز ہے۔ یوں تو قطعات، رباعیات، منظومات اور دیگر اصنافِ شعر میں بھی انھوں نے طبع آزمائی کی ہے لیکن غزلیہ شاعری میں جس انہماک اور لگن کے ساتھ انھوں نے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ وہ یقیناً اُن کا سرمایۂ افتخار ہے۔

مہرؔی صاحب کی شاعری کو جدید و قدیم کے خانوں میں تقسیم کرنا ممکن ہے نہ مناسب۔ وہ روایتی انداز کے شاعر ہیں لیکن روایتی موضوعات اور مضامین کو اپنی فنّی چابکدستی سے جس طرح انھوں نے سنوارا اور سجایا ہے اُس پر اُن کو اگر فخر تھا تو یہ فخر بے جا نہ تھا لیکن شاعر کتنا بھی روایت گرفتہ کیوں نہ ہوں عصری میلانات اور اپنے دور کے سیاسی اور سماجی محرکات و رجحانات کو نظر انداز نہیں کر سکتا اس لیے عصری آگہی اور عصری حسّیت جیسی جدید تنقیدی اصطلاحات کا اطلاق اُن کے کلام پر بھی ہوتا ہے۔

مہرؔی مرحوم کے پسندیدہ مضامین و موضوعات میں جنون و وحشت کی سرفرازی عقل و خرد کی پسپائی اور مغفرت طلبی خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ لفظیات کے استعمال میں انھوں نے کوئی اجتہاد نہیں کیا لیکن عربی فارسی زبان کے امثال و اقتباسات سے اپنے غزلیہ اشعار کو وزن و وقار عطا کرنے میں انھوں نے حسب دل خواہ کامیابی حاصل کی اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان اشعار میں کہیں ثقل پیدا نہیں ہوا۔ ملاحظہ فرمائیے۔ ؎

"جواب جاہلاں باشد خموشی"
خرد مندوں کا یہ دستور بھی ہے

✽

؎
ہے مرے حق میں عُروَۃُ الوُثقیٰ یہ جو نسبت کا تار باقی ہے

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو ؏ بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر، کے مصداق ان کے ہاں بھی مئے عرفاں خوب چھلکتی ہے۔ ساغر، صراحی، جام، مینا، پیمانہ، ساقی، میکش واعظ، ناصح اُن کے ہاں بھی جلوہ گر ہیں لیکن وہ جس قدر مئے عرفان اور بادۂ بے خودی سے سرشار ہیں اتنے ہی بادۂ گلگوں سے گریزاں بھی ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

مئے عرفاں کی مستی سے نہیں واقف وہ اے مہری
جو بدمستی کی خاطر ہے مئے گلگوں کا شیدائی

زود گوئی اور قادر الکلامی اُن کے کلام کا جوہر ہے۔ اس لیے بیشتر اساتذہ کی طرح انھوں نے بھی دو غزلے کہے ہیں۔ اپنے استاد رضیؔ ناطقی کے پرستار ہیں اور جابجا اُن کے حضور میں گلہائے عقیدت کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ ؎

ہے رضیؔ ناطقی سے مجھ کو جو فیضِ سخن
پختہ و محکم مرا طرزِ بیاں ہو جائے گا

اُردو شاعری میں جدیدیت کے میلان سے متنفر ہیں یا یہ سمجھیے کہ جدیدیت کی بے اعتدالی اور بے رنگ یکسانیت سے عاجز ہیں لیکن اعتدال پسند جدید شاعری کے حامی ہیں۔ رام پور کے نمائندہ جدید شاعر اظہرؔ عنایتی کی مدح سرائی یوں کرتے ہیں۔ ؎

ہم کو جدیدیت سے تھا مہریؔ جو انقباض
اظہرؔ عنایتی نے وہ کافور کر دیا

اگرچہ ان کی شاعری کا منظر نامہ روایتی ہے لیکن احساس کی شدت اور اظہار کی بے ساختگی، فنی چابکدستی، الفاظ کے در و بست، تراکیب کی دلآویزی اور بندش کی چستی نے اُسے جلا بخش دی ہے۔ میں نے ابھی عصری آگہی کا ذکر کیا تھا۔ ایک

حساس شاعر ہونے کے باعث مہری مرحوم بھی اپنے عصر کے بدلتے رجحانات اور سیاسی محرکات سے بے خبر یا مستغنی نہیں رہ سکتے تھے۔ چنانچہ اُردو زبان کی کس مپرسی، وطن پرستی، الیکشن کا دور دورہ جیسے موضوعات پر انھوں نے بھی بڑے مؤثر انداز میں قلم اٹھایا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

خزاں کا دور بھی دیکھا بہار بھی دیکھی | وطن پرست یہ ہر حال گلستاں میں رہے

✻

؎

ہم نے لہو بہا کے بچائی ہے آبرو | رکھ لی ہے لاج ہم نے وطن کے وقار کی

✻

؎

میں نے پوچھا جو سبب قوم کی گمراہی کا | غیب سے آئی ندا قافلہ سالار نہیں

✻

؎

دیر و کعبہ کی آج ہے تخصیص | بندگی امتیاز کیا جانے

✻

؎

مندر میں بھی فساد تھا مسجد میں بھی نزاع ہو میخانے کی زمیں پہ ہمیں آشتی ملی

✻

؎

دیا نہ اُردو کو لیکن کسی نے کوئی مقام | یہ بحث گرم تو ہر محفلِ سخن میں رہی

✻

؎

امامِ شہر، میرِ کارواں اور قوم کے لیڈر | جو سچ پوچھو تو مہری سب مریدِ زر نکلتے ہیں

✻

؎

پھر الیکشن کا زمانہ آگیا ہے خیر سے | دیکھیے پھر معتبر اُردو زباں ہونے لگی

✻

مہری صاحب مرحوم پیشہ ور شاعر نہیں تھے۔ انھوں نے شاعری اپنے دل کا بوجھ ہلکا

کرنے کی غرض سے شروع کی تھی، مشاعروں اور شعری نشستوں میں داد حاصل کرنے کی غرض سے نہیں۔ وہ صرف دوسروں کی فرمائش پر شعر سناتے تھے۔ نوآموز شعراء کی طرح اپنا کلام سنانے کے لیے بیتاب رہنا ان کے مزاج اور مسلک کے خلاف تھا۔

اُن کی غزلیات کا انتخاب آپ کے پیشِ نظر ہے۔ ان غزلوں کو بغور پڑھیے، لطف اٹھائیے اور داد دیجیے اور پھر آخر میں مرزا غالبؔ کا یہ شعر بھی ضرور پڑھیے ؎

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم!
تو نے وہ گنجہائے گراں مایہ کیا کیے

(قیام گاہ) شارب لاج
خسرو باغ روڈ
رام پور

(پروفیسر) آفتاب شمسی
سابق صدر شعبۂ اردو، گورنمنٹ رضا پوسٹ گریجویٹ کالج۔ رام پور
۳۱ر اگست ۱۹۹۱ء

# "دبستانِ ناطقؔ کا ایک اعلیٰ رُکن"

جناب رفیقؔ بارہ بنکوی (جانشین حضرت ڈاکٹر رضیؔ ناطقی کلکتہ)

مولوی حافظ مفاضل الحق مہریؔ رامپوری، حضرت شیخِ طریقت سید مہر علی شاہؒ (ساکن گولڑا شریف) جیلانی، رزاقی، قادری، چشتی، نظامی، صابری، حنفی قدس سرہٗ کے سلسلہ سے وابستہ ہیں۔ یہ سلسلہ پچیس[۲۵] واسطوں سے حضرت غوث الاعظمؒ اور چھتیس[۳۶] واسطوں سے حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے (مہر منیر)۔ اسی نسبت سے آپ مہریؔ تخلص کرتے تھے۔ آپ اپنے مسلک و عقیدے کے بڑے محکم تھے۔ دینیات و ادبیات کا گہرا مطالعہ، اُردو، فارسی، عربی تینوں زبانوں پر قدرت رکھتے تھے اور اشعار بھی کہتے تھے۔ خاص طور سے فنِ تاریخ گوئی میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ شعروں کے اوزان و بحور کی جانکاری کے ساتھ ساتھ فنِ عروض پر بھی قدرت رکھتے تھے جو کہ استاذی المعظم حضرت ڈاکٹر رضیؔ ناطقی سے موصوف اور اِس ناچیز نے ساتھ ساتھ سبقاً سبقاً سیکھا ہے۔ حافظ صاحب کا مشغلہ صرف شعر و شاعری ہی نہیں، اس کے علاوہ بھی مشاغل تھے۔ جیسے کشتی، ورزش، پتنگ اڑانا وغیرہ۔ آپ فنِ پتنگ بازی میں تو بے حد مشّاق تھے۔ "کلکتہ کلب" کے ممبر بھی تھے اور اسی کلب کی طرف سے کبھی کبھی پتنگ لڑاتے تھے۔ آپ کو بارہا اس فن کا کامل الفن استاد تسلیم کیا گیا جس کی سندیں آج بھی مڈل کی شکل میں موجود و محفوظ ہیں۔

جو کلکتہ کلب و دیگر کلبوں کی جانب سے حاصل ہوئیں۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ رامپور علوم و فنون اور اُردو زبان کا قدیم مرکز ہے عظمت اس سرزمین کے سارے مظاہر کا لازمی عنصر ہے۔ یہاں ہمیشہ وسیع پیمانے پر کام کیا گیا ہے۔ یہ روایت یہاں ہر صدی میں زندہ رہی اور آج بھی ادب اور زندگی کے بہت سے دوسرے شعبوں میں زندہ اور کارفرما ہے۔ اگر آج اتنا سرگرم نہ ہوتا تو بیسویں صدی کا رامپور اُردو اور دیگر علوم و فنون کی خدمت کے اس قدیم شرف سے محروم ہوتا جو ہمیشہ اس ارضِ جمال کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ حافظ مہری کی غزلوں میں جہاں قدما، کے رنگِ تغزل کے صفات ہیں انھیں کے ساتھ ساتھ اُستاذی حضرت ڈاکٹر رضی ناطقی مرحوم کی بیباکی و آتش نوائی کی ہلکی سی جھلک بھی شامل ہے۔ ؎

دیوانگی کو ہم نے ازل ہی میں چن لیا

اہلِ خرد کو حصّے میں بس عقل ہی ملی

تمام غزلیں جو اس مجموعے میں شامل ہیں ایک ہی نشست میں پڑھی جا سکتی ہیں اور پڑھنے والوں اور سننے والوں پر یہ گھنٹوں کا وقفہ نہایت خوش گوار گزرے گا۔ بتقاضائے بشریت ممکن ہے کہیں کہیں لغزشیں بھی ہو گئی ہوں لیکن ان کی غزلوں میں جذبات و خیالات کہیں بھی مبہم نہیں ہیں۔ حافظ صاحب کے کلام پر نظر ڈالنے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کی غزل گوئی میں شعوری یا طبعی طور پر بہت سی خوبیاں اکٹھی ہو گئی ہیں۔ فصاحت، بلاغت، سلاست، روانیِ خیالات سبک جذبات، شدّتِ جذبات اور اعتدالِ جذبات کا امتزاج و آمیزش، ہلکی ہلکی ٹیس، آواز کے ارتعاش میں تخت کی جھنکار، الفاظ کے زیر و بم میں دھڑکتے ہوئے دل کی کیفیتوں کا اتار چڑھاؤ، یہ ہیں وہ چند خصوصیتیں جو ان کی شاعری میں دل کشی پیدا کر دیتی ہیں۔ بہر کیف حافظ صاحب کی نگاہیں بیدار اور قلم عمر بھر مصروفِ کار

رہا۔ انھیں اپنے مقصد کے ساتھ بڑا خلوص تھا۔ ان کی ساری عمر عربی، فارسی اور اُردو کی خدمت میں گذری۔ خاص طور سے اُردو ادب کی خدمت میں موصوف کا بڑا حصّہ ہے۔

آپ نہایت مہذب و خوش اخلاق انسان تھے۔ ہر چھوٹے بڑے سے خلوص و محبت سے پیش آتے تھے۔ یہی سبب ہے کہ آپ اپنے ہم عصروں و نیز حلقۂ احباب میں بہت مقبول تھے۔ موصوف نے اپنی بصیرت و عقیدت کے تحت اُردو زبان کی جو خدمت کی ہے وہ بلا خوفِ تردید "ان تھک" کے لقب سے موسوم کی جا سکتی ہے۔ ان کے ادبی نظریوں سے کوئی اتفاق کرے یا نہ کرے، ان کا طریق کار کسی کو مرغوب ہو یا نہ ہو اتنا تو ہر شخص کو کہنا پڑے گا کہ اس مقصد کے پورا کرنے میں جو ان کے پیش نظر تھا اور جسے انھوں نے اپنی پُرجہد زندگی کا نصب العین بنایا، حافظ صاحب بڑے انہماک کے ساتھ مصروف رہے ان کی زندگی صحیح معنوں میں ایک مبلغ کی زندگی تھی۔

اب میں موصوف کا ایک قطعہ پیش کرتا ہوں جو کہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ غالباً چھبیس ۲۶ یا ستائیس ۲۷ تاریخ تھی۔ ہم لوگ استاذی حضرت ڈاکٹر رضیؔ ناطقی کے مطب (دبستانِ ناطق) میں بیٹھے ہوئے ادبی گفتگو کر رہے تھے کہ ایک صاحب پارسِش نے آکر زور سے "السلام علیکم" کا نعرہ لگا کر اپنی جانب متوجہ کر لیا اور چندے کی رُبک دکھائی۔ قصّہ کوتاہ ہم لوگوں سے جو ہو سکا انھیں پیش کیا۔ اُن کے چلے جاتے پر قبلہ حافظ صاحب نے ایک سرد آہ کھینچی اور عادت کے مطابق "یا اللہ تو خیر کر" کہتے ہوئے سر جھکا کر کچھ سوچنے لگے۔ ایک لمحہ بعد "یا اللہ تو خیر کر" کہتے ہوئے سر اٹھایا تو میں نے کہا قبلہ کیا سوچ رہے تھے؟ فرمایا ایک مصرع کسی کا یاد آگیا ہے جو کہ بالکل حسبِ حال و برمحل ہے۔ میں نے کہا قبلہ کیا مصرع ہے۔ مجھے بھی سنائیے۔ فرمایا۔ یہ حضرت جو ابھی ابھی چندہ لے کر جا چکے ہیں۔ انھیں کی شایانِ شان مصرع ہے۔

ع "جس نے جو عالم بنا ڈالا وہ اس کا ہو گیا"

اسے میں نے تضمین کیا ہے ملاحظہ ہو :

رزق تو دیتا ہے رازق ہی مگر مہری یہ دیکھ
"جس نے جو عالم بنا ڈالا وہ اُس کا ہو گیا"

سبحان اللہ ماشاء اللہ کہہ کر ہم لوگوں نے خوب خوب تعریف کی۔ یہاں تک کہ استاذی المعظم نے بھی داد و تحسین سے نوازا اور فرمایا ماشاء اللہ بڑی اچھی تضمین ہے۔ پھر موصوف بڑی دیر تک بحرِ تخیلات میں غوطے لگاتے رہے اور گوہر آبدار لے کر سر اٹھایا "یا اللہ تو خیر کر" کہتے ہوئے مسکرائے اور بڑے اچھے انداز میں خوش ہو کر کہنے لگے۔ ملاحظہ ہو۔ قطعہ کی صورت میں چند اشعار :

قطعہ:۔ "جس نے جو عالم بنا ڈالا وہ اس کا ہو گیا"

دورِ حاضر کا یہ مُلّا اور مصنوعی امام
آخرت کو چھوڑ کر دنیا کا شیدا ہو گیا

کسب اک محنت ہے اور محنت کا ملتا ہے ثمر
ترکِ محنت کر کے یہ بالکل نکما ہو گیا

لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کو بھول کر
کچھ نہ بن پایا تو یہ مسجد کا مُلّا ہو گیا

اب تو ہے تبلیغِ دیں تحصیلِ زر کیواسطے
بندۂ حق ہو کے یہ چندے کا بندا ہو گیا

کسبِ روزی کے طریقے تو ہیں مستحسن بہت
بے مشقت فائدہ بخش آج چندا ہو گیا

رزق تو دیتا ہے رازق ہی مگر مہری یہ دیکھ
"جس نے جو عالم بنا ڈالا وہ اُس کا ہو گیا"

اس فی البدیہہ قطعہ سے حافظ صاحب کی فکر کی جولانی و زود گوئی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حافظ صاحب کے بہت سے اشعار اس قبیل کے ہیں کن کن کا ذکر کروں۔

حافظ صاحب کا سرا پائے طبع و فکر اس مجموعے کی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔ اب میں قبلہ حافظ صاحب ہی کے ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں۔ شعر ؎

طلب ہوئی جو معاصی کی بزمِ غفراں میں
سیاہ نامۂ اعمال ہم اٹھا کے چلے

کمترین رفیق بارہ بنکوی۔ کلکتہ
یکم نومبر ۱۹۹۱ء

❋

# مہری کا سراپا

جناب پرویز انجم

اللہ تعالیٰ کا ایک نیک بندہ جسے دنیا حافظ مفاضل الحق مہری رامپوری (مرحوم و مغفور) کے نام سے جانتی ہے، اُن کا سراپا کچھ ایسا ہی تھا، سنّت رسولؐ سے مرصّع چہرہ رنگ سفید اور سرخ، گول چہرہ، مناسب قد، کشادہ پیشانی پر خالقِ کونین کی اطاعت کا روشن نشان، عمر کے لحاظ سے بالوں کا رنگ سفید اور سیاہ، بڑی بڑی آنکھیں سڈول جسم، راست باز، صائب الرائے، ارادہ کے پختہ، دل کے مضبوط، صاف گو اور کم گو، خوش وضع، خوش لباس، اُن کی خوش وضعی تمام امورِ زندگی میں نمایاں تھی۔

خضر پور کلکتہ کی مشہور دکان "کانپور بوٹ ہاؤس" کے مالک، آس پاس کی دکانوں کو نظر انداز کر کے خریدار سیدھے حافظ صاحب کی دکان کا رخ کرتے ہیں دکان کے داخلی دروازے کے دائیں جانب موصوف بیٹھتے تھے۔ سامنے کیش بکس اور پاس ہی پاندان بھی موجود ہوتا۔ پان کھانے اور بنانے کا اُن کا اپنا ہی انداز تھا راستے میں اگر کسی جان پہچان والے سے ملاقات ہوتی تو سلام کرنے میں آپ پہل کرتے، ہاتھ کو ملاتے وقت قدرے جھک کر خیریت پوچھتے۔ یہ جھک کر ملنا ہی حافظ جی کی بلند قامتی کی دلیل تھی۔

مشاعروں میں بہت کم شریک ہوتے، لیکن جس مشاعرے میں موجود رہتے

اس میں پڑھے جانے والے کلام کو خوب غور سے سنتے اور اچھے شعر پر شاعر کو دادِ تحسین سے نوازتے۔ نومشق شعراء کی حوصلہ افزائی میں آپ پیش پیش رہتے۔ جب مہری صاحب کے پڑھنے کی باری آتی تو سامعین اور شعرا ہمہ تن گوش ہو جاتے۔ ایک ایک لفظ کی ادائیگی کا آپ خیال رکھتے۔ اُن کے پڑھنے کا انداز بھی منفرد تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ آپ کی شرکت سے مشاعرے میں جان سی پڑ جاتی تھی۔

خضر پور لٹریری سوسائٹی کی نشستوں میں میری درخواست پر اپنی مصروفیت کے باوجود کچھ وقت نکال کر شریک بزم ہوتے۔

حافظ جی کی شخصیت کے جس پہلو پر بھی میری نظر گئی میں نے انہیں عظیم پایا۔ ایک شاعر کی حیثیت سے کلکتہ کے ادبی حلقوں میں ان کا مقام ہمیشہ بلند رہا۔ ایک تاجر کی حیثیت سے بے حد کامیاب، ایک انسان کی حیثیت سے بھی عظیم۔ حافظ صاحب کی شخصیت کے جس پہلو سے میں بے حد متاثر ہوا وہ یہ ہے کہ اللہ نے انہیں آٹھ سعادت مند فرزندان سے نوازا جن میں چھ ماشاء اللہ حافظِ قرآن ہیں اور دوسرے بھی حفظِ قرآن کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ حافظ صاحب نے دنیاوی علوم کے ساتھ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو اپنی طرح حافظِ قرآن بھی بنایا۔ یہ مہری صاحب کی صحبت اور تربیت کا فیض ہے۔

عزیزی حافظ منشاء الحق اور عزیزی حافظ مستجاب الحق نے حافظ جی مرحوم کی شخصیت اور فن سے متعلق جب مجھ سے میرے تاثرات کو قلم بند کرنے کو کہا اُس وقت میں ایک عجیب سی الجھن میں گرفتار ہو گیا۔ میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا۔ یہ بھی حافظ صاحب کی محبت کا اثر ہے جو یہ چند باتیں آپ کے سامنے رکھنے کی جسارت کی ہے۔

حافظ مفاضل الحق مہری صاحب کی زندگی ایک کھلی کتاب کی مانند تھی۔

جب بھی کسی نے اس کھلی کتاب کو پڑھنے کی کوشش کی تو اسے اس کتاب کے ہر ورق پر محبت کی خوشبو محسوس ہوئی۔ خود مہرؔی صاحب کیا کہتے ہیں۔ یہ شعر دیکھیں ؎

محبت ابتدا اپنی، محبت انتہا اپنی
نہ دوزخ کا ہے ڈر ہم کو نہ جنت کی ضرورت ہے

عزم، ہمت اور مستقل مزاجی آدمی کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ اس دولت سے اگر کوئی بھی محروم ہے تو وہ زندگی کی پُرخار راہوں پر چل کر منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس مفہوم کو مہرؔی صاحب نے کس انداز میں نظم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ؎

موجوں کے ہیں تیور کہ نہ ہو ہم سے مقابل
ہمّت کا تقاضا ہے کہ طوفاں سے گذر جا

حافظ مفاضل الحق مہرؔی رامپوری کے مجموعۂ کلام کے مطالعہ کے بعد آپ یقیناً اس شعر کو بار بار دُہرانے پر مجبور ہو جائیں گے ؎

مزہ لیتے ہیں اہلِ علم و دانش اس کا اے مہرؔی
تمھاری فکرِ عالی ہے سخن دانوں سے وابستہ

پرویز انجم۔ کلکتہ
۳۰ر نومبر ۱۹۹۱ء

ناظم اعلیٰ
خضر پور لٹریری سوسائٹی
خضر پور۔ کلکتہ

مرحوم کو شاعر کی حیثیت سے اہلِ فن بہتر طور پر پرکھ سکتے ہیں۔ مجھے بہ حیثیت ایک اچھے انسان کے ان کا تعارف کرانا زیادہ اچھا لگتا ہے۔

ان سے مل کر سب سے پہلے ان کے خاندانی شرف کا احساس ہوتا تھا۔ ان کے دادا اور راقم کے پرنانا مولانا فضل حق رام پوری (۱۲۷۸ھ تا ۱۳۵۸ھ) کو علمی دنیا میں نابغۂ روزگار تسلیم کیا گیا ہے۔ "تذکرۂ کاملانِ رام پور" اور "نزہتہ الخواطر" کے تاریخی صفحات ان کی عظمت کے شاہد ہیں۔

اس خاندان کی علمی تاریخ پشتوں سے چلی آرہی ہے۔ پردادا مولانا قاری عبدالحق صاحب مرحوم اپنے زمانے کی مشہور شخصیت تھے جو بہ تعلق تدریس نواکھالی (بنگال) میں رہتے تھے۔ گویا ریاست بنگال سے اس خاندان کا تعلق پشتینی ہے۔

دادا مولانا فضل حق رام پوری کی تعلیم و تربیت اور شخصیت سازی میں اگرچہ اس دور کے گرانقدر علماء و مشائخ کا حصہ ہے لیکن زیادہ تر علمی ورثہ ان کو اپنے والد مولانا عبدالحق مرحوم سے ملا تھا۔ حافظ احمد علی خاں شوقؔ نے "تذکرہ کاملانِ رامپور" میں بڑے خوب صورت پیرایہ میں ایک حسن اتفاق کا ذکر کیا ہے۔

"مولانا فضل حق رام پوری ابن مولوی قاری حافظ عبدالحق
بارہ سو اٹھتر ہجری میں رام پور میں پیدا ہوئے۔ یہی سال مولانا
فضل حق خیرآبادی کی رحلت کا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مرحوم کا
جانشین پیدا کیا۔"

مولانا فضل حق رام پوری کے فرزند اور جانشین مولانا افضال الحق رام پوری راقم کے نانا اور مہری مرحوم کے والد تھے۔ راقم نے بچپن میں ان کو دیکھا تھا۔ وہ مدرسہ عالیہ رام پور میں ایک اعلیٰ مدرس تھے۔ عجب جاہ وجلال تھا۔ پاکستان اور افغانستان میں ان کے شاگرد ابھی کافی تعداد میں موجود ہیں۔ منطق و فلسفہ میں اس زمانے میں کوئی ان کا ثانی نہیں تھا۔ اس کے ساتھ صاحبِ حال وقال بھی تھے۔ نہایت مخصوص محفل سماع گھر پر کراتے تھے۔ ان کے حالاتِ زندگی تذکرۂ کاملانِ رامپور کی دوسری جلد میں ہیں۔ جو ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے۔ حافظ احمد علی نے صرف اتنا لکھا ہے۔

"آپ کے (مولانا فضل حق رام پوری کے) فرزند مولانا افضال الحق
ماشاء اللہ فارغ التحصیل اور بہت ذہین و ذکی ہیں۔"

موصوف نے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں یادگار چھوڑیں۔ تمام اولادوں کو زیورِ علم اور حفظِ قرآن سے مزین کیا لیکن ملازمت کا سلسلہ یہاں سے منقطع ہو گیا۔ ساری اولادوں نے تجارت کو ذریعۂ معاش بنایا۔ مہری مرحوم موصوف کے چوتھے صاحبزادے تھے۔ انھوں نے تجارت میں رہ کر علمی اور ادبی سرگرمیوں کو اپنے اوپر اوڑھے رکھا۔ حافظ قرآن تو تھے ہی لیکن گلستان اور بوستاں بھی حفظ تھی۔ شیخ سعدیؒ کے بارے میں فرماتے تھے کہ کامل انسانوں میں سے ایک تھے۔

مہری مرحوم نہایت متواضع اور خوش کلام انسان تھے۔ کلکتہ میں کانپور بوٹ ہاؤس میں حاضری دینے والے لوگ ان کی حاضر جوابی، ظرافت، عالی ظرفی اور وسیع القلبی کو

ہمیشہ یاد کرتے رہیں گے۔ فرقِ مراتب کا لحاظ رکھ کر ہر کس و ناکس سے گفتگو کرنا اور اس کو اپنا بنا لینا ان کا خاص فن تھا۔ شعر و شاعری بھی ان کی اعلیٰ صفات میں سے ایک صفت تھی لیکن ان کو صرف ایک شاعر کی حیثیت سے پیش کرنا ادھوری بات ہے سخن گوئی سے زیادہ سخن فہمی اور سخن نوازی ان پر غالب تھی۔ وہ ہر محفل کی رونق بن جایا کرتے تھے اچھے شعر کو صرف زبانی تعریف سے ہی پرکھ لینا ان کے لیے کافی نہ تھا بلکہ جس کا شعر ان کو پسند آجائے اس سے ہمیشہ کے لیے تعلقات قائم ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ان کے ارد گرد خواص شعرا کا ایک جمگھٹ لگ گیا تھا۔ ان کی محبوبیت کو دیکھ کر اقبال کا یہ شعر زبان پر آجاتا تھا ؎

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیرِ مغاں ہے مردِ خلیق

حقیقت یہ ہے کہ انتہائی مرنجاں مرنج اور پُرکشش شخصیت تھے۔ عالم دین، حافظ قرآن اور پھر آزاد منش، درویش صفت۔ متضاد صفات ان کی شخصیت میں بہت حسین امتزاج بن گئی تھیں۔ زندہ دلی کی تمام کیفیتوں کے باوجود تہذیبِ اخلاق اور فرقِ مراتب کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ حاضر جوابی اور ظرافت ہر ادا اور ہر جملہ سے ٹپکتی تھی لیکن کبھی کسی کی دل شکنی نہیں کی اور نہ کبھی گفتگو میں بے احترامی کا پہلو ابھرتا تھا۔ مخاطب کا احترام زبان سے اور دل سے ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے۔ پیچیدہ مسائل اور الجھن کی باتوں سے بیزاری کا رویّہ اور سب سے بنائے رکھنا گویا ؏

میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

ان کی شخصیت میں متضاد صفات کی ہم آہنگی تھی۔ مثلاً بزرگوں سے حقیقی تعلق لیکن ظاہرداری اور غلو سے یکسر گریز۔ طبیعت کی بے نیازی کے باوجود ہر بڑے سے نیازمندی۔ زندہ دلی اور بے ساختگی کے باوجود فرائض منصبی کا پورا ادراک

اور وارفتگی، بے خودی کے لمحات میں وقار کی کیفیت، شانِ قلندری اور وارفتگی کے باوصف ہوش مندی، دانائی، بردباری، حلم اور شانِ ارادی۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کا مرقع بیان میں نہیں آسکتا۔ بیک وقت تجارت اور دوستی کا اجتماع ان کا ذاتی کمال تھا۔ جس کارخانے دار سے وہ مال خریدتے تھے وہ ان کا گہرا دوست بن جاتا تھا۔ تجارت دوسرے درجہ کی چیز بن جاتی تھی۔ یہی معاملہ گاہکوں کے ساتھ بھی ہوتا تھا۔

نفسیات کے اتنے زبردست ماہر تھے گویا مخاطب کے دل میں اتر آئے ہوں۔ ایک نظر میں آدمی کو پرکھ لینا، اس کے مدعا کو بھانپ لینا اور ایک جملہ میں اس کے دل کا مطلب پورا کر دینا۔ اس طرح آدمی پہلی ملاقات میں گرویدہ ہو جاتا تھا۔

مزاج میں تردد یا پس و پیش کو دخل بالکل نہ تھا۔ اپنے فیصلہ پر اٹل بھی رہتے اور مطمئن بھی۔ چنانچہ بچوں کی تعلیم و تربیت میں سب سے بنیادی چیز قرآن کا حفظ کرنا ان کے اس رجحان پر زمانے کا کوئی تقاضا یا کوئی معاشی انقلاب اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔

تعلقات اور دوستی رکھنے میں وہ ہمہ جہت آدمی تھے۔ دھوبی، بھنگی، رکشا والا، شاعر، ادیب، محقق، مولوی، امام، مؤذن، مسافر سب ان کے گہرے دوست تھے۔ اور سب کے من پسند آدمی تھے۔

شاعری بھی ان کی شخصیت کا ایک حصہ تھی، جس طرح وہ ایک معلم اخلاق تھے۔ فارسی و عربی کے پرستار تھے، عالم تھے، حافظ تھے، تاجر تھے، رفیق تھے، ظریف تھے، شاعر بھی تھے۔ یہ بات اس لیے لکھنا ضروری ہے کہ شاعر زیادہ تر عملی زندگی میں مجہول ہوتا ہے۔

حضرت خیال رام پوری اور پروفیسر آفتاب شمسی نے ان کی شاعری کا جائزہ لیا ہے۔ میں اس کو طول دینا نہیں چاہتا لیکن اتنا تبصرہ ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ

کردار اور حسن اخلاق کی شاعری ہے جس میں ایک ایسے شخص کی فکر سموئی ہوئی ہے جس نے مستغنی رہ کر اخلاص و محبت کے تجربات کیے تھے ان کی اس کیفیت کا اندازہ اس شعر سے کر لیجیے ؎

اس دور کا مخلص ارے توبہ ارے توبہ
وہ طاق نظر آیا ہمیں مکر و دغا میں

تواضع اور انکساری جو ان کی صفت تھی اشعار میں جا بجا اس کا اظہار بھی ہوا ہے ؎

تکبر مانعِ فیضانِ حق ہوتا ہے اے مہری
ندامت ہی ندامت ہے ہمارے دیدۂ تر میں

یا

شیوۂ تسلیم کا مہری وہ اک اعجاز تھا
آتشِ نمرود جس دم گلستاں ہونے لگی

ان کی شاعری کے بارے میں ایک جامع تبصرہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ایک صاحبِ دل نے پتہ کی باتیں بیان کی ہیں ؎

وہ بھی کرم تھا ان کا آئے تھے ہم جہاں میں
یہ بھی کرم ہے ان کا جاتے ہیں اب جہاں سے

ڈاکٹر خالد جاوید شمسی
ریسرچ آفیسر
انسٹی ٹیوٹ آف لٹریری ریسرچ جامعہ ہمدرد
نئی دہلی ۶۲

۳۱ مارچ ۱۹۹۳ء

حضرت حافظ مفاضل الحق صاحب مہری اُردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں عالم، صوم وصلوٰۃ کے پابند، نیک طینت اور خدا ترس مسلمان تھے۔ مرنجان مرنج، شگفتہ مزاج اور باغ و بہار طبیعت کے مالک تھے۔ وہ یاروں کے یار اور نجابت وشرافت کے آئینہ دار تھے۔ مرحوم ایک اچھے شاعر تھے اور ادیب بھی تھے مگر ان کا مزاج عام شعرائے سے مختلف تھا۔ نام ونمود اور شہرت وستائش کی بھی انہیں کوئی تمنا نہ تھی۔ زندگی اور دوست داری کی آئینہ دار ہنگامہ آرائیاں اور ان کی رعنائیاں مرحوم کے دم سے قائم تھیں۔ اس باب میں کتنے ہی قصے اور کتنے دلچسپ واقعات ہیں جو اس وقت سطحِ ذہن پر ابھر رہے ہیں۔ زیادہ تر ایسی تمام بزم آرائیاں اور بہت سے باذوق لوگوں کے علاوہ خاص طور سے حضرات محشر عنایتی صاحب مرحوم، واحد القادری صاحب مرحوم، استاد صدیق خاں مرحوم، ماسٹر قیصر خاں مرحوم نازش نیازی صاحب مرحوم، خلیل خاں صاحب نعمانی مرحوم، ننھیا نور الحسن صاحب مرحوم، خیال صاحب مطلوب النبی صاحب، منے ماموں صاحب اور راقم السطور کی مجالست اور ہم نشینی میں ہوتی تھیں۔ پتنگ بازی، مچھلی کا شکار، پکنک، شطرنج، مشاعرے، ساونیاں، قوالی گانے، بھکڑ بازی، دھول دھپا غرض کہ ان کے ساتھ زندگی کے کیا کچھ مزے اٹھائے ہیں۔

دوست آں باشد........ والی بات کے سلسلے میں اس وقت صرف ایک واقعہ سنانا چاہوں گا۔

میرے گھر کے برابر ایک مکان فروخت ہو رہا تھا جس کی مجھے اپنے ماموں زاد چھوٹے بھائی ادریس احمد خاں (جو مثل میری اولاد کے ہے) کے لیے سخت ضرورت تھی اور میرے پاس رقم اس کی قیمت سے صرف نصف مہیا تھی۔ میں مہری صاحب کے پاس پہنچا اور بتایا کہ استاد (میں مہری صاحب کو استاد کہتا تھا) ایسا معاملہ درپیش ہے، کیا کروں؟ ایک دو دوستوں کے پاس اور جاؤں گا۔ دیکھیے کتنی رقم کا انتظام ہو پاتا ہے۔ مسکرا کر کہنے لگے "گھبراتے کیوں ہو، چَپّن میں ڈھک دوں گا۔" میں نے عرض کیا استاد! میں سمجھا نہیں۔ کہنے لگے "ارے بھائی جتنی کمی رہ جائے گی وہ میں پوری کر دوں گا۔" ذرا سوچیے انھوں نے کتنی بڑی بات کہی۔ عالی ظرفی کی مثال کے لیے کیا یہ بات کم ہے۔ میں تو شیر ہو گیا، اور بحمد اللہ وہ مکان خرید لیا۔

مہری صاحب مرحوم صائب الرائے اور دانا و بینا شخص تھے۔ میں نے ان کی بہت سی نصیحتوں سے فائدہ اٹھایا ہے اور خاص طور سے ان کی اس نصیحت کو تو میں نے اپنی بنا زندگی بنا لیا ہے۔ فرماتے ہیں ــــــ " میاں! ظالم بننے سے مظلوم بننا کہیں بہتر ہے۔" اور یہ شعار اپنانے کے بعد میں کتنے فائدے میں رہا ہوں، بیان نہیں کر سکتا۔

رئیس رام پوری
جے تنک روڈ
رامپور

کرم ہائے نمایاں سے نوازش ہائے پنہاں تک
تجھے اے پیکرِ خلق و وفا ہم یاد کرتے ہیں

میں اپنے کاروباری سلسلے سے اکثر و بیشتر کلکتہ جایا کرتا تھا تو استادِ محترم جناب مولوی حافظ مفاضل الحق صاحب مہری کے دولت کدے پر قیام کرتا تھا تو رات کے کھانے سے فارغ ہوکر حسبِ عادت برادرِ محترم جناب مولوی حاجی فاضل الحق صاحب اور عزیزی حافظ فضلِ باری مرحوم اپنی اپنی آرام گاہ میں چلے جاتے تھے۔ قبلہ مہری صاحب تخت پر مسند نشین ہیں۔ آج کتابوں کی شب ہے تو کتابیں ہی صبح تک زیرِ مطالعہ ہیں اور اگر لکھنے کی رات ہے تو شب بھر قلم ہی چل رہا ہے۔ فجر کی اذان تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ نمازِ فجر ادا کرنے کے بعد آرام، وہی سادہ سا بستر اور وہی سادہ سی چارپائی۔ کبھی روشنی سے اور کبھی آواز سے اور کبھی یوں ہی میری آنکھ کھل جایا کرتی اور میں یہ مناظر دیکھتا اور پھر مجھے نیند اپنی طرف کھینچ لیتی۔

کلکتہ میں مشاعروں میں اساتذہ کی اولین صفوں میں ہوتے ہوئے بھی اپنے استادِ محترم ڈاکٹر رضی ناطقی مرحوم کا وہ احترام کہ بس حقِ شاگردی کے پیکر۔ ہر مشاعرے میں نئی فکر اور نیا انتخاب۔ دھوکے سے لوگ ہمیں بھی شاعر جاننے لگے تھے۔

سنہ ۱۹۶۰ء یا سنہ ۱۹۶۱ء کی بات ہے۔ اجمیر شریف میں حضرت قبلہ بابو جی رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے۔ صبح کو دربار میں سبھی لوگ اپنی جگہ پاکر اپنی خوش نصیبی کا شکر ادا کیا کرتے

تھے۔ اتفاق سے ڈاک، خطوط، ٹیلی گرام وغیرہ حضرت صاحبؒ کے پاس آیا کرتے تھے حسنِ اتفاق سے ہماری طرف بھی ایک ٹیلی گرام مہری صاحب نے پڑھنے کے لئے بڑھا دیا۔ ہمت کر کے پڑھ دیا۔ حضرتؒ نے نام معلوم کیا۔ عرض کیا گیا "مطلوبُ النبی"۔ حضرتؒ نے فرمایا "بڑا مبارک نام ہے"۔ بس مہری صاحب کا کوئی مکتوب تاحیات میرے نام ایسا نہیں ہے جس میں 'مطلوب النبی' (بڑا مبارک نام ہے) تحریر نہ ہو۔

رام پور میں مہری صاحب کی آمد پر آپ کے تمام ہی رفقاء، صاحبِ علم و دانش اور جاں نثار جمع رہتے تھے۔ اکثر و بیشتر شہر سے بیرون کسی پر فضا مقام جیسے لالپور ڈیم یا بلاسپور گیٹ کھلی جگہ پر محترم استاد صدیق خاں صاحب مرحوم، جناب رئیس رامپوری جناب ریاست نور ایڈوکیٹ مرحوم (جگری دوست)، جناب جمیل احمد سیفی مرحوم اور شکیل احمد سیفی بلاسپور والے وغیرہ سے تمام دن خوش کن گفتگو، لطائف استاد صدیق خاں کی طرف سے اور پتنگ بازی کا مقابلہ مرحوم ریاست نور ایڈوکیٹ سے۔ یہ ایسی ملاقاتیں ہوتی تھیں کہ جو بھی اس محفل میں شریک رہتا تھا۔ خوشیوں سے مالا مال لوٹتا تھا۔

رام پور میں جناب اظہر عنایتی پر شفقت فرماتے تھے اور ان کے کلام کی دعائیہ انداز میں داد دیا کرتے تھے۔

عنایات و نوازشات کا یہ عالم تھا کہ اپنے دسترخوان پر سب کچھ حاضر رہتا تھا اور محبتوں اور پہچان کا یہ عالم تھا کہ حافظ فضل باری مرحوم، اقبال احمد شمسی کھنڈساری، عتیق احمد برتن والے اور خاکسار، جہاں چار کو ایک جگہ پایا بس "چہار درویش" کے خطاب سے نواز دیا۔ اپنے مشاہدہ اور تجربات کی روشنی میں جس شخص کے لیے جو جامع لفظ استعمال کر دیا یا جو نام دے دیا وہ اس شخص کے مزاج کی پوری عکاسی کرتا تھا ہر لفظ و ہر نکتہ مقامی دارد۔

رام پور میں قبلہ حکیم تنفو خاں صاحب مرحوم (دیسی دواخانہ) گویا تالاب کی دکان

پر قیمتی اوقات گزارتے تھے۔ حلقۂ مخلصین میں قبلہ جناب شرف الدین خاں صاحب مرحوم، قبلہ جناب خان بھائی صاحب مرحوم آڑھتی، قبلہ جناب رسوا صاحب مرحوم (یہ تمام حضرات پیر بھائی تھے) اور قبلہ جناب سید نور الحسن میاں صاحب مرحوم امام جامع مسجد۔ مہری صاحب کا سلسلۂ خلوص و نیاز خوب خوب جاری رہتا تھا۔ قبلہ حکیم صاحب مرحوم جو پورے رام پور میں مخلص ترین انسان تھے، اپنے خلوص کا پورا پورا مظاہرہ فرماتے تھے۔ ؎

عقل کے سو لباس ہیں، پھر بھی وہ مطمئن نہیں
عشق پہن کے مست ہے، ایک دریدہ پیرہن

مہری صاحب کے ایک رفیق خاص تھے جناب عبد الہادی خاں صاحب مرحوم آف کراچی آہ! کیا شخص تھا۔ سب کچھ دوست پر قربان تھا۔ ع

داستاں عشق کی دہرا گئی تاروں بھری رات
کتنی یادوں کے چراغ آج جلے اور بجھے

عزیزی مکارم الحق مکارم کی فرمائش اور پیہم اصرار پر چند سطور قلم بند کر دی ہیں بس اس شعر کے ساتھ اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ ع

سناؤں گا تو سنتے ہی رہو گے
مرا قصہ تمھاری داستاں ہے


مطلوب النبی
۱۵ر اگست ۱۹۹۴ء

محلہ پنجابیان۔ رام پور
فون نمبر ۲۵۳۹۸

❁

# "ابّا جان مرحوم"

حافظ مستجاب الحق

"زندہ ہے بس وہی جسے کہتے ہیں لا یموت"
"اُس کی تو موت ہے جو بقیدِ حیات ہے"

حافظ مفاضل الحق مہری صاحبؒ ہمارے والد ماجد تھے۔ ۲۲ مئی ۱۹۹۱ء بدھ کے دن ہمیں عظیم سانحے سے گذرنا پڑا۔ یہ تاریخ اور یہ دن ہمارے لئے اندوہناک اور افسوسناک خبر کا باعث بنا۔ ۲۲ مئی ۱۹۹۱ء کو ہم سب بھائی بہن سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ ہمارے ابا جان ہم سب کو داغِ فرقت دے کر رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ اللہ پاک والد صاحب کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس عطا فرمائے۔ آمین!

حافظ مفاضل الحق مہری صاحبؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ کیوں کہ اُن کی شخصیت ہر خاص و عام پر عیاں تھی۔ وہ ایک عظیم باپ ہی نہیں بلکہ عظیم انسان بھی تھے۔ ان کی سیرت، ان کا کردار، ان کے عادات و اطوار اور اُن کے عمدہ اخلاق ہمارے لئے آج بھی کھلی کتاب کی مانند ہیں۔

والد صاحب کا مشفق سایہ جس کے نیچے ہم نے پرورش پائی۔ وہ شخصیت جس کے زیر سایہ ہم زمانے کے سورج کی تمازت سے بچے ہوئے تھے۔ وہ سایہ جس کے تلے ہم نے راحت محسوس کی، وہ مالی جس کے وجود سے گھر گلستاں لگتا تھا۔ وہ پدر جنھوں نے ہم کو اچھی تعلیم اور اچھی تربیت سے آراستہ کیا۔ اُن کی شخصیت کی عظمت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے ہم کو (سب برادران کو) حافظِ قرآن بنایا ہم کو قرآنِ عظیم کی دولت سے نوازا۔ یہ سب ہمارے والد ماجد کا ہی فیض ہے۔ ایک باپ اپنی اولاد کو اس سے بہتر اور کیا تعلیم دے سکتا ہے۔ ہم اللہ پاک سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ پاک والد ماجد کو اجرِ عظیم سے نوازے۔ آمین۔

والد صاحب مرحوم حق پسند انسان تھے اور حق گو تھے۔ حق بات سننا آپ پسند فرماتے آپ کو کذب گوئی سے سخت نفرت تھی۔ جھوٹے آدمی سے گفتگو کرنا آپ کو ناگوار گزرتا تھا۔

اللہ پاک نے ہمارے ابا جان کو عزّت و توقیر کی دولت سے بھی سرفراز فرمایا۔ ہر شخص چاہے وہ عام ہو یا خاص ہو آپ کی بڑی عزّت کرتا تھا۔ آپ کی شخصیت بارُعب مگر بہت پُرکشش تھی۔ آپ جاذبِ نگاہ تھے۔ آپ کے حسنِ اخلاق اور مخلصانہ سلوک اور اندازِ تکلم سے ہر شخص متاثر ہوتا اور آپ سے جو بشر بھی ایک ملاقات کرتا وہ بار بار ملنے کا خواہاں رہتا۔

مہرؔی صاحب (مرحوم) عربی، فارسی اور اُردو پر مہارت رکھتے تھے۔ آپ نے عربی اور فارسی زبان میں بھی شعر کہے ہیں۔ آپ نے شاعری کے ذریعہ اُردو زبان کی خدمت کی ہے۔ آپ دینیات و اسلامیات کا عمیق مطالعہ رکھتے تھے۔ عالم دین اور حافظِ قرآن تھے۔ آپ نے خاندان میں امتیازی حیثیت پائی تھی۔ آپ کا حلقۂ احباب بھی بہت وسیع تھا۔

ابا جان مرحوم ایک اچھے شاعر تھے۔ ان کی شاعری کا معیار کسی استاد شاعر سے کم

نہ تھا بلکہ وہ استاذ شعراء میں شمار کئے جاتے تھے۔ ابا جان مشاعروں میں بہت کم شریک ہوتے تھے۔ مخصوص شعری نشستوں میں ہی شرکت کرتے۔ آپ کے پڑھنے کا انداز بہت عمدہ تھا۔ آپ ہر شعر بہت زور دے کر پڑھتے، تحت اللفظ میں ہی غزلیات و قطعات وغیرہ پڑھتے تھے۔ آپ کی شاعری نہایت صاف اور سنجیدہ ہے۔ بیشتر اشعار حقیقت پر مبنی ہوتے۔ خلوص و محبت، عجز و انکسار اور حق بیانی آپ کی شاعری کا خاص حصہ ہے۔ رنگ و بہار اور تغزل کا استعمال کم ہے۔ اپنے شاعرانہ مزاج سے واقف ہو کر کتنا خوب صورت شعر خود کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

مہری جو ہو سکے تو حقیقت نگار بن
ہم کو ترے کلام میں کچھ شاعری ملی

قبلہ ابا جان مرحوم کے چند اشعار جو کہ مجھے بہت پسند ہیں، اُن پر اپنی ناقص رائے ظاہر کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

مسلمان کے لئے سب سے اہم شئے ایمان ہے۔ اگر ایمان آپ کے پاس ہے تو فی الحقیقت آپ کامیاب و کامران ہوں گے۔ مہری صاحب نے ایمان کی اہمیت اور فضیلت پر زور دیا اور ایمان کو ہی سب سے بڑی دولت سمجھا۔ یہ شعر ملاحظہ فرمایئے۔

ایمان سلامت ہے تو سب کچھ ہے سلامت
لٹ جائے نہ ہمدم کہیں ایماں کا خزینہ

آدمی کے پاس جب مال و دولت کی کثرت ہو جاتی ہے تو سب سے پہلے اُس کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ وہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ پیسہ ہی سب کچھ ہے۔ دولت کے نشہ میں وہ خدا کی نافرمانی کرنے لگتا ہے۔ اس کے برخلاف جو آدمی ایمان کی دولت سے مالا مال ہے اُس کے سامنے مال و زر کی کوئی اہمیت نہیں رہتی اور وہ ہاتھ آئی بڑی سے بڑی دولت کو اس وقت ٹھکرا دیتا ہے جہاں اس کا ایمان مخدوش ہونے لگتا ہے۔ مہری صاحب مرحوم و

مغفور بھی اسی خیال اور جذبہ کے انسان تھے۔ برادرانِ اسلام سے انھوں نے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا ہے۔

ایمان کی دولت نہ لٹا مردِ مسلماں
دارائی بھی ہاتھ آئے تو ٹھکرا کے گذر جا

اللہ رب الکریم رزاق ہے، حاجت روا ہے، ہمارے بنا طلب کئے وہ ہماری ضرورتوں کو پورا کر دیتا ہے۔ ابا جان نے بہت اچھے انداز سے یہ شعر کہا ہے جو کہ حقیقت پر مبنی ہے شعر دیکھیں ؎

حاجت روا ہمارا وہ پروردگار ہے
سب کام ہو رہے ہیں تقاضا کئے بغیر

انسان سے غلطی ہونا فطری بات ہے۔ اگر انسان اپنی غلطی پر نادم ہو جائے اور توبہ کرے تو اس میں اس کی شان نہیں گھٹ جاتی بلکہ اس کی ندامت میں ہی اس کی عظمت پوشیدہ ہے قبلہ ابا جان مرحوم کتنے دل نشیں انداز میں یہ شعر کہہ گئے ؎

خوئے آدم تو نہیں جرم پہ نازاں ہونا
اُس کی عظمت کی ضمانت ہے پشیماں ہونا

حق و باطل کی جنگ میں حق ہی غالب رہتا ہے۔ جیت ہمیشہ سچائی کی ہوتی ہے۔ مہری صاحب مرحوم نے حق اور باطل کے متعلق کتنی خوب صورت تمثیل پیش کی ہے۔ شعر ملاحظہ ہو ؎

جو باطل حق سے ٹکرائے تو بس اتنا ہی کہنا ہے
قضا آتی ہے چیونٹی کی تو اُس کے پر نکلتے ہیں

آج انسان دولت کا پجاری بن کر رہ گیا ہے۔ چاہے وہ کسی عہدے پر فائز ہو۔ اُس کی غرض صرف پیسہ ہی ہوتی ہے۔ مہری صاحب مرحوم نے اس حقیقت کو کس طرح

منظوم کیا، یہ شعر دیکھئے!

امامِ شہر، میرِ کارواں، اور قوم کے لیڈر
جو سچ پوچھو تو مہری سب مریدِ زر نکلتے ہیں

یہ ہے مرحوم کی شاعری کا انداز۔ قارئین کرام جب آپ حافظ مفاضل الحق مہری صاحب کے مجموعۂ کلام "افکارِ مہری" کا بغور مطالعہ فرمائیں گے تو آپ یقیناً اُن کی غزلیات اور منظومات کو پسند فرمائیں گے اور محظوظ ہوں گے۔

میں بارگاہِ خداوندی میں دست بدعا ہوں کہ اے خدا ہمارے والد صاحب کی مغفرت فرما، آخرت میں اُن کے درجات بلند فرما۔ آمین۔

سرِ حشر رحمت نے اس کو پکارا
کدھر ہے؟ وہ دیوانہ مہری کدھر ہے

❁❁

حافظ مستجاب الحق
۱۵ر جنوری ۱۹۹۲ء

کانپور بوٹ ہاؤس
خضر پور۔ کلکتہ ۲۳

اُسے شمس الضحیٰ کہیے اُسے بدرالدجیٰ کہیے
خدا کے بعد جو کچھ ہے وہی نورِ یگانہ ہے

# "دُنیا کا معلّم وہی اُمّی لقبی ہے"

سکتے میں دو عالم ہیں یہ کیا بوالعجبی ہے
استاذِ خلائق جو وہ اُمّی لقبی ہے

جو عبد کو معبود سے دم بھر میں ملادے
وہ ہادیِ کل، ہاشمی و مطلبی ہے

اللہ رے میخوارِ مئے حُبِّ محمدؐ
ہر آن ہے سیراب مگر تشنہ لبی ہے

سب ولیوں کی گردن پہ ہے جو پائے مبارک
وہ نقشِ کفِ پائے رسولِ عربیؐ ہے

کیا خوب یہ مصرع ہے کہ ہے شعر مکمل
"دنیا کا معلّم وہی امّی لقبی ہے"

استاذِ ازل سے ہے جسے ربطِ تلمذ
"دُنیا کا معلّم وہی امّی لقبی ہے"

کیا پوچھتے ہو مرتبہ سادات کا مہری
اَعلیٰ الحسبی ہے کوئی اَزکی النسبی ہے

# ملائک دم بخود ہیں، با ادب سارا زمانہ ہے

محمدؐ وجہِ تخلیقِ دو عالم، کیا ٹھکانہ ہے
حقیقت جس پہ نازاں ہے یہی تو وہ فسانہ ہے

محمدؐ خسروِ خوباں، عجب شاہِ یگانہ ہے
"ملائک دم بخود ہیں با ادب سارا زمانہ ہے"

وہ نورِ لم یزل تو راز اندر راز ہے اب تک
جو اس کی تہہ کو پا جائے کوئی ایسا نہ دانا ہے!

اُدھر صدیق اکبرؓ اور اِدھر بوجہل ہے منکر
وہ مقبولِ زمانہ ہے، یہ مردودِ زمانہ ہے

وہ قیدی چاہِ بابل کے بھی جھوم اٹھے مسرت سے
کسی نے جب کہا اُن سے، محمدؐ کا زمانہ ہے

جوابِ آدم و ابلیس ہے عبرت کا آئینہ
وہ متکبر، یہاں طرزِ تکلم عاجزانہ ہے

اُسے شمس الضحیٰ کہیئے، اسے بدر الدجیٰ کہیئے
خدا کے بعد جو کچھ ہے وہ ہی نورِ یگانہ ہے

پسِ قرآن خوانی بھی جو کچھ ہم ورد کرتے ہیں
محمدؐ کی کہانی ہے، محمدؐ کا فسانہ ہے

یہاں انبارِ عصیاں کا، وہاں ہے نقدِ آمرزش
ادھر بھی اک خزانہ ہے، اُدھر بھی اک خزانہ ہے

"ترا دیدہ و یوسف را شنیدہ" قول ہے برحق
"شنیدہ کے بود مانندِ دیدہ" سب نے مانا ہے

یہی چرچا سنا ہے ہم نے محشر میں بھی اے مہری
محمدؐ کی خدائی ہے، محمدؐ کا زمانہ ہے!

❋

# "ضیا ہر سُو ہے عالم میں اسی شمعِ رسالت کی"

ولادت سے بھی پہلے تھی خبر بیشک نبوت کی
نبوت ختم ہے ان پر سند ہے یہ فضیلت کی

یہ کبر و عجز کا منظر کہ حکم اسجدوا سن کر
کسی نے سرکشی کی، اور کسی نے دل سے طاعت کی

وہ نورِ لم یزل تخلیقِ اوّل جس کو کہتے ہیں
"ضیا ہر سو ہے عالم میں اسی شمعِ رسالت کی

فرشتوں سے کہا حق نے کریں آدم کو وہ سجدہ
فرشتوں نے بھی کچھ آدم میں دیکھا اور طاعت کی

پڑھا تھا کنکروں نے جس گھڑی کلمہ شہادت کا
سند بوجہل کو قدرت نے دی فوراً جہالت کی

محقق اور مصدق ان سے بڑھ کر تو نہیں کوئی
حقیقت پوچھیے صدیقؓ سے نورِ حقیقت کی

"سبق پڑھ لے صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا"
یہ کیا اچھی نصیحت ہے کسی دانائے حکمت کی

"لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا"
پئے تبلیغ شہرت ہے جہاں میں جس امامت کی

عذابِ بولہب میں اس لیے تخفیف ہوتی ہے
خوشی اس نے منائی تھی خبر پا کر ولادت کی

وہ عاصی، ہاں وہ عاصی ہو گیا مغفور محشر میں
شفیع المذنبیں سے جس نے قائم اپنی نسبت کی

کہے گا ہر نبی یا ربّنا نفسی مگر تیری
محمدؐ تو قیامت میں کریں گے بات امّت کی

# "ایمان کی سند ہے محبّت رسولؐ کی"

قسمت سے مِل گئی ہے امامت رسولؐ کی
ہے باعثِ نجات قیادت رسولؐ کی

مالک کا حکم جو ہے وہ نائب کا حکم ہے
طاعت خدا کی ہے یہ اطاعت رسولؐ کی

بنیادِ دین کی جو کبھی سست پڑ گئی
نظمِ جہاں میں ہو گئی حاجت رسولؐ کی

پیغام اپنا خلق کو دینے کے واسطے
خالق کو بھی پڑی تھی ضرورت رسولؐ کی

کافر سے کم نہیں، جسے حُبِّ نبی نہ ہو
"ایمان کی سند ہے محبت رسولؐ کی"

اللہ اس کا حافظ و ناصر وہیں ہوا
جس نے جہاں بھی چاہی حفاظت رسولؐ کی

ساری دعائیں خیر سے مقبول ہو گئیں
اکسیر ہو گئی ہے وساطت رسولؐ کی

بغض و حسد سے کوئی ابوجہل ہو تو ہو
صدیقؓ تو بناتی ہے الفت رسولؐ کی

اللہ رے اُس مصدقِ اوّل کا مرتبہ
صدیقؓ کو ملی ہے معیّت رسولؐ کی

ادنیٰ غلام شافعِ محشر کا وہ بھی ہے
مہری کو بھی ملے گی شفاعت رسولؐ کی

غزلیات
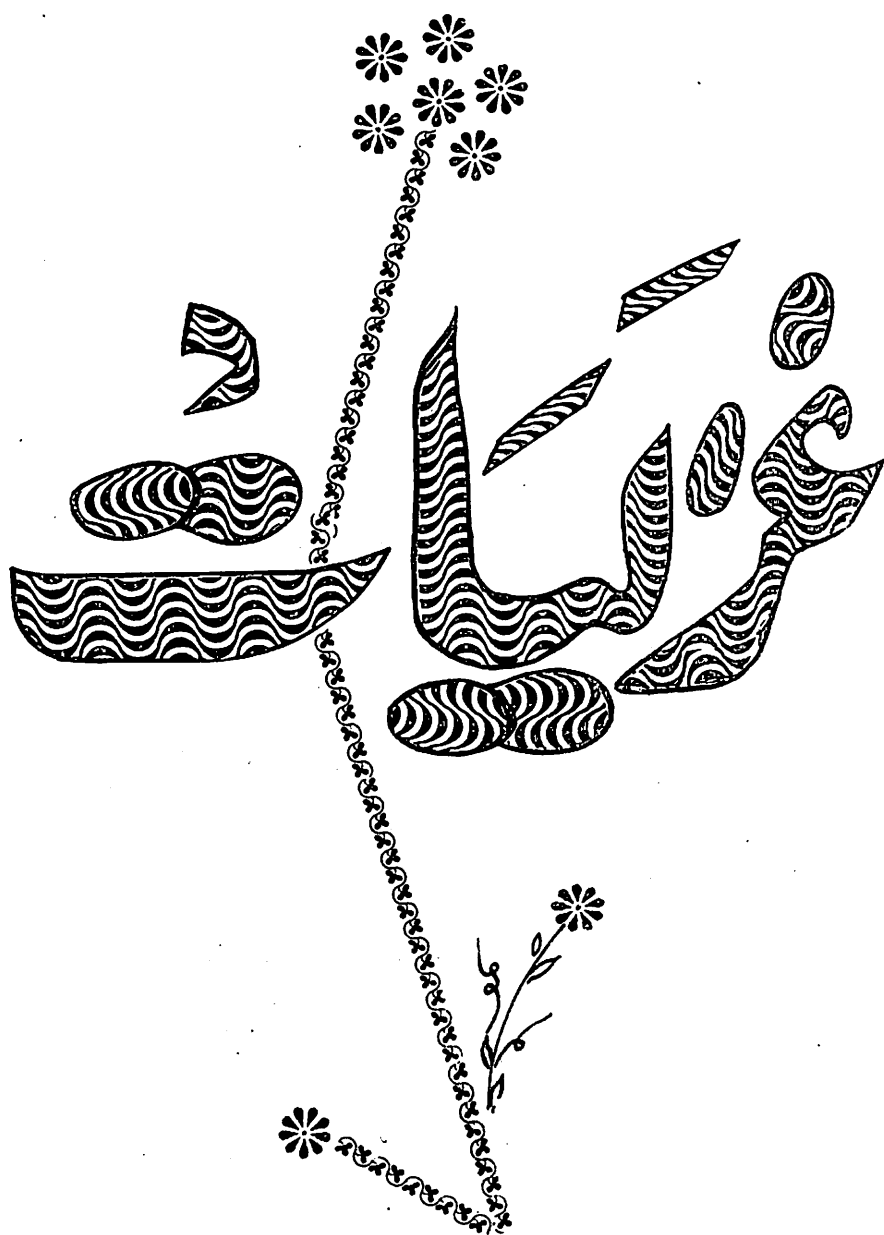
مہرِ منیر اور سراجِ منیر کا
رشتہ ہو جس طرح کسی شاہ و وزیر کا
کیا پوچھتے ہو نام و نشان مجھ فقیر کا
حلقہ بگوش ہوں میں اُسی دستگیر کا
جو آج اس جگہ جھکا کل اُس جگہ جھکا
کیا حالِ بد کروں میں بیاں اس حقیر کا
'یک در بگیر' کا ہے جو قائل جہان میں
وہ نام اتفاق سے ہے مجھ فقیر کا
محتاج جس غنی کے کرم کا ہے کل جہاں
مجھ کو ہے آسرا اُسی ربِّ قدیر کا
کِس کِس ادا سے ہوتی ہیں مشکل کشائیاں
مہرؔی یہ فیض ہے کسی روشن ضمیر کا

خوئے آدم تو نہیں جرم پہ نازاں ہونا
اُس کی عظمت کی ضمانت ہے پشیماں ہونا

بندگی اس کی ہے سر جس کا جھکا رہتا ہے
خاکساروں کو میسر ہوا انساں ہونا

دعوتِ فکر بھی دینا ہے ہر اک عکسِ جمال
یوں تو مشہور ہے آئینوں کا حیراں ہونا

چند اشعار کا مجموعہ مرتب کر کے
کوئی آسان نہیں صاحبِ دیواں ہونا

زورِ بازو کا نتیجہ تو نہیں تھا ہرگز
دین اللہ کی سمجھو مہِ کنعاں ہونا

مانعِ جود و عطا، مکر و تصنع ہے مدام
شرطِ انعام ہے اخلاص بداماں ہونا

صدق گوئی کا صلہ تجھ کو ملا ہے ہُدہُد
قاصد و نامہ برِ شہرِ نگاراں ہونا

شب گزاری کے لئے مشغلے یہ بھی ہیں بہت
کبھی خنداں، کبھی گریاں، کبھی حیراں ہونا

تربیت قید میں ہوگی بہ طریقِ احسن!
کیا مبارک ہے مرا داخلِ زنداں ہونا

یہ ہے معراج مرے حالِ زبوں کی مہری
دوستوں کا مرے انگشت بدنداں ہونا

❋

جہاں میں روز ہوتے ہیں بہت اہلِ ہنر پیدا
مگر صدیوں میں ہوتا ہے کوئی صاحب نظر پیدا

نہیں بطنِ صدف میں ہاں نہیں کوئی جواب اُن کا
بفیضِ چشمِ گریاں جو کیے ہم نے گہر پیدا

نظر جس شے پہ کی ہم نے جمال اپنا نظر آیا
خوشا وحشت، نگاہوں میں ہوا ہے یہ اثر پیدا

حوادث سے تو ہنسنا کھیلنا فطرت ہماری ہے
زمانہ لاکھ کرتا ہے کرے برق و شرر پیدا

نگاہِ فیض سے اکثر بدل جاتی ہیں تاثیریں
جو کامل ہیں وہ کر دیتے ہیں پتھر سے گہر پیدا

کلامِ حضرتِ اقبال سے جن کو عقیدت ہے
وہ کر لیتے ہیں اس کے فیض سے فکر و نظر پیدا

جو ہر انسان کو سمجھا گئے مفہومِ آزادی
نہیں ہوں گے وہ بوبکرؓ و عمرؓ بارِ دگر پیدا

نشیمن ہم بنائیں گے اسی گلشن میں اے مہری
اگرچہ حشر تک ہوتے رہیں برق و شرر پیدا

یہ کیا کہا کہ زمانے میں رازداں نہ رہا
امین و معتمد انساں کہاں کہاں نہ رہا
نہ پوچھ مجھ سے وہ دلدوز انقلاب اے دوست
یہ گلستاں ہے جہاں میرا آشیاں نہ رہا
ہماری مدح سے بھرپور تھی کبھی تاریخ
ہمارا ذکر بھی اب زیبِ داستاں نہ رہا
تلاش مجھ کو نہیں ہم سفر کی اب اے دوست
کہ اعتماد کے قابل یہ کارواں نہ رہا!
نہ احتیاط میں اُلجھے، نہ مصلحت میں پھنسے
ہمارے عشق کا قصہ تو چیستان نہ رہا
نگاہِ مہر سے مہری جو ہو گیا محفوظ
حوادثاتِ زمانہ کا اب نشاں نہ رہا

زاہد و صوفی نہ مولانا ہوا
کچھ نہ ہو کر میں تو دیوانہ ہوا

میں تری محفل میں شرمندہ ہوا
"سوچتا ہوں آج کیوں ایسا ہوا"

میری رسوائی تو میرے ساتھ ہے
آپ کا ہے رنگ کیوں بدلا ہوا

آئنہ تو فطرتاً حیران تھا
دیکھ کر کیوں آپ کو سکتہ ہوا

مجھ کو تنہا چھوڑ کر جاتے ہیں آپ
یہ بھی ہے تقدیر کا لکھا ہوا

یک بیک ترکِ تعلق شکریہ
خیر جو کچھ بھی ہوا اچھا ہوا

ظلمتیں باطل کی جب کچھ بڑھ گئیں
نیّرِ حق اک نہ اک پیدا ہوا

دفعتاً حق سے ملی اس کو بقا
فانیِ حق جب کوئی بندہ ہوا

دوریِ منزل ہے لذت کا سبب
رک نہیں سکتا قدم بڑھتا ہوا

میکدہ اور شیخ صاحب مرحبا
خیریت ہے کس طرح آنا ہوا

دن تو ہنگاموں میں تیری کٹ گیا
جان لیوا شب کا سنّاٹا ہوا

جذبۂ صادق جو طاری ہو گیا
میں ہر اک دشمن پہ بھاری ہو گیا

لشکرِ باطل کے ٹکڑے اُڑ گئے
نعرۂ حق ضربِ کاری ہو گیا

آفتیں، بیماریاں سب مٹ گئیں
دفعتاً جب فضلِ باری ہو گیا

ہے رضیؔ سے مجھ کو جو فیضِ سخن
میرا اک اک شعر بھاری ہو گیا

آپ سے مل کر طبیعت خوش ہوئی
کیا مبارک ربط جاری ہو گیا

یہ تو خود کردہ عمل کی بات ہے
کوئی نوری کوئی ناری ہو گیا

جانے کیوں بیٹھے بٹھائے دفعتاً
سلسلہ اشکوں کا جاری ہو گیا

اس کا شاہوں سے بھی بڑھ کر ہے مقام
جو ترے در کا بھکاری ہو گیا

مہرؔی خوش فکر کی سُن کر غزل
اُن پہ بھی اک وجد طاری ہو گیا

○

ذکر میرا جو چھڑ گیا ہوگا
سن کے وہ مسکرا دیا ہوگا

ذہن میں بھی جو آ نہیں سکتا
درحقیقت وہی خدا ہوگا

آئنے کی اسے ضرورت کیا
جو مجسّم اک آئنا ہوگا

لوگ رو رو کے آ رہے ہوں گے
مرنے والا تو ہنس رہا ہوگا

تیرے بیمار کو شفا ہوگی
درد جس وقت لا دوا ہوگا

شعر گوئی میں کیوں ہے دشواری
فکر کا تنگ قافیہ ہوگا

جس کے اشعار ہیں بہت رنگیں
خون اس نے بہا دیا ہوگا

حسن کے گیت ان گنت ہوں گے
عشق کا ایک مرثیہ ہوگا

منزل آ کر قدم کو چومے گی
پاؤں میں جس کے آبلہ ہوگا

رند پائیں گے ساغرِ عرفاں
زاہدِ خشک دیکھتا ہوگا

کچھ نہ پوچھو وہ کیا جگہ ہوگی
جس جگہ آدمی خدا ہوگا

خود سری کب ہے شیوۂ آدم
آدمی بندۂ رضا ہوگا

خلق کو جو ملا دے خالق سے
کہیے اُس کا مقام کیا ہوگا

نام مہری کا اُن سے کیسے مٹتا
حرفِ تنقید مٹ گیا ہوگا

○

رحمت کو اس کی جوش میں لایا نہ جائے گا
جب تک سرِ نیاز جھکایا نہ جائے گا

تا حشر گو زبان پہ لایا نہ جائے گا
سودا کا قتل ہے یہ چھپایا نہ جائے گا

یہ کیا کہا کہ ہم سے تو آیا نہ جائے گا
ہم بھی اگر کہیں کہ بُلایا نہ جائے گا

ہر وقت ہم کو فرقِ مراتب کا ہے خیال
چھوٹے بڑے کا فرق مٹایا نہ جائے گا

شاگرد کوئی ہے کوئی استادِ محترم
یہ ربط فیض بخش مٹایا نہ جائے گا

دل رازدارِ عشق بہرحال ہے مگر
آنکھوں سے رازِ غم کا چھپایا نہ جائے گا

ہے عشق مضطرب پئے سجدہ بصد ادب
کب تک حجابِ حسن اٹھایا نہ جائے گا

مانا کہ ہم نحیف ہیں کمزور ہیں مگر
دامن پکڑ لیا تو چھڑایا نہ جائے گا

کیا خوب سرنوشت لکھی خوش نویس نے
جو اس میں درج ہے وہ مٹایا نہ جائے گا

واقف نہ ہوں گے اوجِ حقیقت سے ہم کبھی
جب تک سرِ نیاز جھکایا نہ جائے گا

ہے دفترِ وفا میں بخطِ جلی لکھا
مہری کا نام ہے جو مٹایا نہ جائے گا

O

اُن کی جنبشِ لب سے دل کا غنچہ وا ہوتا
وہ جو ہنس دیے ہوتے باغ کھل گیا ہوتا

خضر کے پجاری کو خضر نے ڈبویا ہے
دل کی پیروی کرتا پار لگ گیا ہوتا

گفتگو اذیت ہے خامشی تو بہتر تھی
کاش ہم نے پہلے ہی لب کو سی لیا ہوتا

درد میں جو لذّت تھی ہائے کیا وہ لذت تھی
دردِ دل جو اٹھتا تھا کاش لادوا ہوتا

اُف وہ کرّ و فر اس کا، حیف بے بسی اس کی
موت اگر نہیں ہوتی آدمی خدا ہوتا

حاملِ امانت ہے صاحبِ کرامت ہے
مشتِ خاک کا رُتبہ اس سے بڑھ کے کیا ہوتا

اُن کی پرسشِ غم نے زندگی عطا کر دی
ورنہ غمزدہ مہری کب کا مر چکا ہوتا

مبارک ہو غرور ان کو اگر ہے تاجداری کا
فقیرِ بے طلب خوگر نہیں منت گزاری کا

اُڑاتے ہیں، اُڑائیں مضحکہ وہ خاکساری کا
ہمیں تو شوق ہے ہر حال میں خدمت گزاری کا

نہیں جلوے سے خالی عالمِ امکاں کا ہر منظر
مبصّر دل سے قائل ہے تری منظر نگاری کا

مصیبت ہی میں راحت ہے، خزاں ہی میں ہے شادابی
چمن زارِ جہاں ممنون ہے تغییر کاری کا

سکونِ دل ہمیں حاصل ہوا بجنور میں آکر
ہمارا دل ہے تمہری معترف اکرامِ باری کا

نامرادی کو جو بس عشق کا حاصل سمجھا
ہم نے اس شخص کو آسودۂ منزل سمجھا
حسنِ مطلق ہی کو جو دید کا حاصل سمجھا
ماسوا کو وہ اک اندیشۂ باطل سمجھا
دیدہ حیراں ہے، خرد گم ہے، معطل ہیں حواس
اللہ اللہ وہ حقیقت جو مرا دل سمجھا
مشورہ ترکِ تعلق کا نہ دے اے ناصح!
کیسے ممکن ہے یہ مجھ کو یہ دلائل سمجھا
غیرتِ عشق کو اس کی یہ گوارا نہ ہوا
حرفِ مطلب کو جو اک شیوۂ سائل سمجھا
مثلِ آئینہ ہر اک شخص نے دیکھا مجھ کو
کوئی ناقص مجھے سمجھا کوئی کامل سمجھا
سونپ دی دولتِ غم بارِ امانت کہہ کر
مہریِ خستہ کو اس نے متحمل سمجھا

میرے چہرے سے جو راز ان کا عیاں ہو جائے گا
خاطرِ نازک پہ وہ بارِ گراں ہو جائے گا

راز داں ہو گا وہی جو بے زباں ہو جائے گا
اس نے لب کھولے تو عالم راز داں ہو جائے گا

جب دلِ ویراں کو میرے اس نے بخشا ہے مقام
دل وہی دل کعبۂ کون و مکاں ہو جائے گا

پاؤں کس کے ڈگمگائے کون ہے ثابت قدم
وقت کے دھارے پہ سب کا امتحاں ہو جائے گا

ہے رضئِ ناطقی سے مجھ کو جو فیضِ سخن!
پختہ و محکم مرا طرزِ بیاں ہو جائے گا

جو گیا کانِ نمک میں ہو گیا وہ بھی نمک
آپ سے مل کر تو بحرِ بے کراں ہو جائے گا

کام وہ للّٰہیت کا ہو نہیں سکتا کبھی
جس میں کچھ اندیشۂ سود و زیاں ہو جائے گا

اہلِ ظاہر پر جو مہری حال دل کا ہو عیاں
قصۂ غم داستانِ این و آں ہو جائے گا

جذبِ کامل کا اثر جس دم عیاں ہو جائے گا
دم زدن میں مضطرب وہ جانِ جاں ہو جائے گا

رکھ لیا ہے میکدے کی شان کا میں نے لحاظ
ساقیِ میخانہ مجھ پر مہرباں ہو جائے گا

کہہ گیا مستی میں سچی بات رندِ باصفا
"پلائے ساقی کعبۂ امن واماں ہو جائے گا"

مہر لگ جائے گی ہونٹوں پر جو رعبِ حسن سے
دیدۂ پرشوق دل کا ترجماں ہو جائے گا

مضطرب اے دل جو تو ہے اُس پہ یہ ظاہر نہ ہو
تیری بے تابی سے وہ بُت بدگماں ہو جائے گا

عطر افشانی کی آخر قدر کیا ہوگی وہاں
گیسوئے مشکیں جہاں نکہت فشاں ہو جائے گا

رات کٹ جائے گی لیکن جس طرح بھی کٹ سکے
آپ کا وعدہ مگر راحت رساں ہو جائے گا

اک طرف برقِ تپاں ہے اک طرف سارا چمن
دیکھیے اٹھ کر دھواں کب آسماں ہو جائے گا

عزمِ محکم ہے تو پھر کیا دوریِ منزل کا خوف
رہبرِ کاملِ دلِ ہمت نشاں ہو جائے گا

بے نیازی سے بھرم رہ جائے گا مہری ترا
عرضِ مطلب پر وہ تجھ سے بدگماں ہو جائے گا

○

حالات نے یہ مجھ سے کہا خود سے گزر جا
چشمِ کرمِ یار کا ایسا ہے، ٹھہر جا

اخلاق کی رفعت کا تقاضا ہے بشر سے
کردار کا غازی ہے تو سینے میں اُتر جا

ایمان کی دولت نہ لٹا مردِ مسلماں
دارائی کبھی ہاتھ آئے تو ٹھکرا کے گزر جا

موجوں کے ہیں تیور کہ نہ ہو ہم سے مقابل
ہمّت کا تقاضا ہے کہ طوفاں سے گزر جا

دریائے محبت کے شناور نے کہا ہے
موجوں سے الجھتا ہوا طوفاں سے گزر جا

مہلت نہ دے شاید تجھے پھر گردشِ دوراں
اے دستِ جنوں کام جو کرنا ہے وہ کر جا

یہ مدرسۂ عقل۔ ہے وہ علم کا مکتب
وحشت نے کہا مجھ سے ادھر جا نہ اُدھر جا

گیسو کی مہک سے گر، تو ہو جاتی ہے تسکین
اے بادِ صبا مجھ پہ یہ احسان تو کر جا

ہرؔی نے تو شکوہ نہ کیا ہے نہ کرے گا
وعدے سے مکرنا تری عادت ہے مکر جا

جینے والوں کی طرح آپ کا جینا ہوگا
قول اور فعل میں جب کوئی قرینا ہوگا
ہم بھی سقراط کے مانند نمایاں ہوں گے
جام شیریں کی جگہ زہر جو پینا ہوگا
کاٹنے پر نہ یہ زنجیر رہے گی زنجیر
ٹوٹ جائے گا تو پتھر بھی نگینا ہوگا
خوف طوفانِ حوادث کا نہیں ہے ہم کو
اک اشارے سے ترے پار سفینا ہوگا
بحرِ آلام میں جو عزم جواں کھودیں گے
گردشِ وقت کا زہر اُن کو ہی پینا ہوگا
روشنی اہلِ حسد کو نہ میسّر ہوگی
نور چمکے گا کہاں دل میں جو کینا ہوگا
آگیا ہے جنھیں مرنے کا سلیقہ مہری
ہم یہ کہتے ہیں کہ مرکر انہیں جینا ہوگا

رسمِ تعینات کو جب دور کر دیا
ہم نے طلسمِ ذات کو بھی چوُر کر دیا
پیمانۂ حیات کے ٹکڑے بکھر گئے
احساس نے جہاں ہمیں مجبور کر دیا
ظلمت کدہ ہمارا نہ ظلمت کدہ رہا
اُس کو شعاعِ مہر نے پرُ نور کر دیا
لفظِ انا کے معنی میں اللہ رے اختلاف
فرعون کر دیا، کہیں منصور کر دیا
جرمِ انا کا فیصلہ دار و رسن بجا
لیکن اس ارتکاب نے منصور کر دیا
میخانۂ خیال میں زاہد بھی مست ہے
جامِ خیال نے اُسے مخمور کر دیا
ہم کو جدیدیت سے تھا ٹھہری جو انقباض
اظہرؔ عنایتی نے وہ کافور کر دیا

○

کوئی مجھ سے نہ پوچھے حشر میں کیسا سماں ہوگا
پریشانی کے عالم میں ہر اک ہوگا جہاں ہوگا
وہ منظر دیدنی ہوگا جو عاصی جھوم اٹھیں گے
محمدؐ کی شفاعت سے خدا جب مہرباں ہوگا

فریبِ نفس ہے زاہد عبادت پر جو نازاں ہے
خدا کے فضل ہی سے صرف تو جنت مکاں ہوگا

ہے خوئے مردِ مومن امرِ حق پر سر جھکا دینا
جو ہوگا سرنگوں اک دن وہی فخرِ جہاں ہوگا

میں عاصی ہوں مرے حامی شفیع المذنبیںؐ ہونگے
شفاعت کا وسیلہ بالیقیں راحت رساں ہوگا

کہا رضواں نے یہ مہری کہاں کا رہنے والا ہے
مَلَک بولے کوئی باشندۂ ہندوستاں ہوگا

○

محبت میں ہمیں سمجھانے اک اک مہرباں آیا
سکوتِ امن پرور ہی جوابِ جاہلاں آیا
نہ کوئی دل نواز آیا نہ کوئی دل ستاں آیا
نمک پاشی کا ساماں لے کے ہر اک مہرباں آیا
جنوں کے فیض سے ہم عشق میں ثابت قدم نکلے
ہمیں ہر گام بہکانے خرد کا پاسباں آیا
خود اپنا حوصلہ ہی رہبرِ کامل بنا آخر
ہمارے ساتھ منزل تک نہ میرِ کارواں آیا
سبھوں کو جانچ کر کی بیعتِ پیرِ مغاں ہم نے
امام و واعظ و ملا بھی زیرِ امتحاں آیا
ہم اپنے دل کی بات اس انجمن میں کیسے کہہ دیتے
نہ کوئی نکتہ سنج آیا نہ کوئی راز داں آیا
شگفتِ گل سے لے کر خاکِ گل بھی دیکھ لی ہم نے
مگر تغییرِ گلشن کا نہ کیوں ٹھہری سماں آیا

دمِ رخصت سرِ بالیں وہ آتے معرکہ ہوتا
اجل کی موت آجاتی، جو احسانِ خدا ہوتا

میں اپنا حالِ دل کہتا، وہ میرا حالِ دل سنتے
زمانہ دم بخود ہوتا، عجب اک سلسلہ ہوتا

ملالِ بیش و کم تو صابر و شاکر نہیں کرتے
اگر ساقی ہمیں محروم ہی رکھتا تو کیا ہوتا

غنیمت ہے مرا احوالِ غم سن کر وہ ساکت ہے
جو کہہ دیتا کہ چپ رہیے نہیں سننا تو کیا ہوتا؟

مصائب آتے رہتے ہیں مصائب جاتے رہتے ہیں
جو یہ جا کر نہیں آتے تو جینے کا مزا ہوتا؟

ظہورِ پردہ کا حائل نہیں ہوتا جو آئینہ
تمنّا دید کی ہوتی نہ چھپنے کا مزا ہوتا

قدومِ میمنت بھی مغفرت ساماں ہوتے ہیں
سند ہوتی جو تربت پر کسی کا نقشِ پا ہوتا

"نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں"
عروجِ ابنِ آدم اس سے بڑھ کر اور کیا ہوتا

تری یہ خوئے رندانہ ازل ہی سے ملی تجھ کو
وگرنہ تو بھی اے مہری جہاں میں پارسا ہوتا

○

جنوں کا راز کسی پر اگر عیاں ہوتا
تو پھر ہمارا بھی کوئی مزاج داں ہوتا
زمیں سے چرخ تک اس کی جفا کا چرچا ہے
کہیں تو اپنی وفا کا بھی کچھ بیاں ہوتا
کچھ اس طرح سے بھی تکمیلِ عہد ہو جاتی
مری لحد پہ ترے پاؤں کا نشاں ہوتا
زبانِ خلق پہ آتے سنہرے قصّے کیوں
اگر زمانہ ہمارا نہ قصّہ خواں ہوتا
جو اہلِ ہوش کی باتوں سے دُور ہم رہتے
ہمارا ایک بھی لمحہ نہ رائیگاں ہوتا
نہ ملتا مجھ کو اگر مظہرِ اتم کا شرف
ترا جمالِ پریشاں کہاں کہاں ہوتا
گزر گیا جو گزرنا تھا حادثہ مہری
یہ واقعہ بھی جو شرمندۂ بیاں ہوتا

○

تسبیح کے لئے جو ترا نام مل گیا
طوفانِ غم میں عشق کا پیغام مل گیا

آبِ حیاتِ جاں کے بے خوف پی گئے
پیرِ مغاں سے ہم کو جو اک جام مل گیا

ساقی نے دوڑ کر جو گلے سے لگا لیا
ہم کو تو لغزشوں پہ بھی انعام مل گیا

ثابت ہوا، تھی ذوقِ اسیری بھی کوئی شے
امنِ دوام ہم کو تہِ دام مل گیا

لائی ہیں رنگ اپنی حقیقت بیانیاں
کچھ دوستوں سے تحفۂ دشنام مل گیا

اتنی مہیب اب نہیں زنداں کی شامِ غم
صبحِ وطن کا ہم کو جو پیغام مل گیا

اس کو بھی محتسب نے جھٹک کر گرا دیا
ہم کو جو زہر کا کہیں اک جام مل گیا

اپنا تو خضرِ وقت جنوں ہی رہا سدا
منزل نما ہمیں وہی ہر گام مل گیا

تھے عاقلانِ دہر بھی صف میں کھڑے ہوئے
اہلِ جنوں کو عشق کا پیغام مل گیا

عجز و نیاز ہی سے وہ آخر ہوا ہے رام
مہری ترے خلوص کا انعام مل گیا

جنبشِ ابروئے ساقی کا مزہ پاتا رہا
میں وہ بادہ نوش تھا ساغر کو چھلکاتا رہا
اقتضائے وقت پر وہ کیوں نہیں ہے ملتفت؟
آج تک جو قصۂ ماضی کو دُہراتا رہا
کفر اور ایمان کے جھگڑے مسلّط ہو گئے
ہوش آتا تھا کہ لطفِ بے خودی جاتا رہا
خار کو جب ہم نے پرکھا، آخرش وہ خار تھا
سایۂ گل میں اگرچہ پرورش پاتا رہا
"پرتوِ نیکاں نگیرد ہر کہ بنیادش بد است"
قول سعدیؔ کا ہمیں ہر گام چونکاتا رہا
نامۂ الفت کے بدلے خود چلے آئے ہیں وہ
مہرئیِ غمگیں کا رنگیں مشغلہ جاتا رہا

کیوں درجۂ کمال پہ یہ بے ہنر ہیں آج
کل تک جو معتبر نہ تھے کیوں معتبر ہیں آج

اپنے پہ جن کو طائرِ سدرہ کا تھا گماں
یہ انقلاب ہے کہ وہ بے بال و پر ہیں آج

"سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں تھا"
لیکن خود اپنے درد سے ہم بے خبر ہیں آج

اللہ خیر ہو، مری دیوانگی کی خیر
کچھ واعظانِ شہر مرے ہم سفر ہیں آج

"اللہ تیری شان کے قربان جائیے"
ان کی نظر میں خیر سے ہم معتبر ہیں آج

مشقِ جنوں کے واسطے صحرا کی قید کیا
وحشت نواز گھر کے ہی دیوار و در ہیں آج

مہرؔی تھا ذی شعور تو دیوانہ کیوں ہوا
حیرت مقامِ صاحبِ فکر و نظر ہیں آج

ہم یوں بھی مطمئن تھے نظارہ کیے بغیر
جلوے نہ باز آئے تماشا کیے بغیر

کوزے میں بند ہم نے سمندر جو کر لیا
مانے نہ وہ بھی ذرّے کو صحرا کیے بغیر

ذاتِ احد میں ہستیِ موہوم کھو چکے
باز آئے ہم نہ قطرے کو دریا کیے بغیر

ہم کشتگانِ خنجرِ تسلیم نے کبھی
چھوڑا نہ زندگی کو معمّا کیے بغیر

حاجت روا ہمارا وہ پروردگار ہے
سب کام ہو رہے ہیں تقاضا کیے بغیر

یہ بھی تو میرے جذبۂ صادق کا ہے کمال
وہ خود ہی آ گئے ہیں تمنّا کیے بغیر

معمار ہم ہیں اُردو کے، ہم پر یہ فرض ہے
دم لیں نہ اُس کو قصرِ معلّیٰ کیے بغیر

یوسف مزاج اُردو نے بخشا نہ عمر بھر
لیلائے شاعری کو زلیخا کیے بغیر

اللہ رے میرے حسنِ تصور کی وسعتیں
ہر چیز ذہن میں ہے مہیّا کیے بغیر

اُن کی نگاہِ مہر کے قربان جایئے
ہر زخم بھر گیا ہے مُداوا کیے بغیر

مہری کو عرضِ حال کی حاجت نہیں ہے اب
معلوم سب ہے آپ کو چرچا کیے بغیر

تہمتِ بزدلی کیوں حق کے پرستاروں پر
مثلِ منصور فدا ہوتے ہیں جو داروں پر

مضمحل پھول ہی ہوتے ہیں پسِ فصلِ بہار
موسمی حادثہ گذرا نہ کبھی خاروں پر

پختہ دل ہوں تو حوادث کا اثر کیا ہوگا
نقشِ پا آپ نے دیکھا کبھی کہساروں پر؟

ہیں کچھ امراض کہ جن کی نہ دوا ہے نہ علاج
رحم فرمائے خدا عشق کے بیماروں پر

سادہ لوحی تمھیں لے ڈوبے گی دنیا والو!
اک نظر برہمن و شیخ کے کرداروں پر

رحمتِ حق کی جو محشر میں گھٹا چھائی ہے
غالباً برسے گی یہ ٹوٹ کے میخواروں پر

باخبر لوگ ہیں جب مُہر بلب اے مہری
ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں پند کو دیواروں پر

سہمے کبھی نہ گردشِ چرخِ کہن سے ہم
تابندہ آج بھی ہیں اُسی بانکپن سے ہم

اجڑے کبھی نہ سازشِ اہلِ چمن سے ہم
برباد ہیں تو اپنوں کے بیگانہ پن سے ہم

اُس حسنِ اعتقاد نے ہم کو ڈبو دیا
جو اعتقاد رکھتے تھے اہلِ وطن سے ہم

اللہ رے سادہ لوحی کہ چہرہ نہ پڑھ سکے
دھوکے میں راہبر کے ملے راہزن سے ہم

پھولوں میں رچ گیا ہے ہمارے لہو کا رنگ
پاتے نہیں ہیں داد بھی اہلِ چمن سے ہم

ہم سے ہماری شانِ گدائی نہ پوچھیے
کمتر نہیں ہیں آج بھی شاہِ زمن سے ہم

مقصد یہی تھا کوئی نہ ہم کو سمجھ سکے
بیگانہ وار گزرے تری انجمن سے ہم

حبِّ وطن ملی ہے جو اپنے خمیر میں
لپٹے رہیں گے مر کے بھی خاکِ وطن سے ہم

ہم کیا ہیں کیسے ہیں یہ ہمیں جانتے ہیں بس
شرمندہ ہو رہے ہیں ترے حسنِ ظن سے ہم

واللہ سادگی کا ہماری نہیں جواب
"کرنے چلے ہیں بُت کا گلہ برہمن سے ہم"

وہ دامنِ دریدہ، وہ یوسف کا پیرہن
عصمت کا درس لیتے ہیں اس پیرہن سے ہم

فرزانگی میں کوئی ہمیں پوچھتا نہ تھا
مقبولِ خاص و عام ہیں دیوانہ پن سے ہم

حسنِ سلوک ہی کا تو مہری یہ فیض ہے
غیروں میں معتبر ہیں جو اپنے چلن سے ہم

جائے حیرت ہے پسند آیا انھیں میرا چلن
میں ترے قربان جاؤں اے مرے دیوانہ پن

اضطراب ان کا بڑھا جب ہم نے یونہی کہہ دیا
ہم بھی کر سکتے ہیں اب ترکِ تعلق دفعتہً

حادثہ اور وہ بھی رنگیں بھولنے کی بات ہے
احتیاط اپنی جگہ ہے اجنبی اتنا نہ بن

کامیابِ دید ہو کر بھی نہ ہوں گے کامیاب
کر گیا مشہور دنیا میں ہمیں دیوانہ پن

ہم ادا نا آشنا ہرگز نہیں اے جانِ جاں
دے گیا بوئے وفا محفل میں یہ بیگانہ پن

وسعتِ دل کے برابر عالمِ امکاں نہیں
اس کی گنجائش کے آگے ہیچ ہیں کوہ و دمن

اب دروغِ مصلحت آمیز ہی کا دور ہے
کس قدر مقبول تھا پہلے ہر اک صادق سخن

خامشی ہر حال میں ہے باعثِ امن و سکوں
لب کشائی کے نتائج ہیں وہی دار و رسن

تیری شہرت عافیت دشمن زمانے میں نہ ہو
ہے بہت مقبول مہرؔی تیرا اندازِ سخن

○

جب تصور میں ڈوب جاتا ہوں — ہُو کے عالم میں خود کو پاتا ہوں
دیر و کعبہ بھی ہیں اہم مرکز — دل کا اعلا مقام پاتا ہوں
گردشِ وقت تھک گئی اے دوست — میں بہر حال مسکراتا ہوں
آدمی ہوں مگر بسا اوقات — آدمیت کو بھول جاتا ہوں
ذکر کرتا نہیں زباں سے اگر — میں تمھیں دل سے کب بھلاتا ہوں
ان کی ہر اک ادا سے ہوں آگاہ — جانے کیوں پھر فریب کھاتا ہوں
دشمنوں کی مجھے نہیں پروا — دوستوں ہی سے خوف کھاتا ہوں

ضبطِ غم کی یہ شان ہے مہری
زخم کھاتا ہوں، مسکراتا ہوں

❋

ہم جو آنکھیں پُر آب کرتے ہیں
وہ کرم بے حساب کرتے ہیں

تم سے جب انتساب کرتے ہیں
خود سے ہم اجتناب کرتے ہیں

معصیت پر تو چھا گئی رحمت
آپ ناحق حساب کرتے ہیں

جرمِ رنگیں بقدرِ ہمت ہم
ہاں بہ عہدِ شباب کرتے ہیں

عشق تو بے حجاب کرتا ہے
آپ ناحق حجاب کرتے ہیں

کون اُن سے نظر ملائے گا
خود کو وہ بے نقاب کرتے ہیں

سعیِ پیہم ہے لازمی لیکن
سب کو وہ کامیاب کرتے ہیں

خاک ہوتے نہیں جو اُس در کی
اپنی مٹی خراب کرتے ہیں

سن کے بھی جو سمجھ نہیں سکتے
آپ اُن سے خطاب کرتے ہیں

اشک پیتے ہیں، مے نہیں پیتے
ہم یہ کارِ ثواب کرتے ہیں

شاہکارِ جہاں ہے وہ ٹھہری
جس کا ہم انتخاب کرتے ہیں

عقل والے تو بہت علم و ہنر رکھتے ہیں
تیرے دیوانے بھی کچھ فکر و نظر رکھتے ہیں

مال رکھتے ہیں نہ گنجینۂ زر رکھتے ہیں
اے خوشا بخت کہ ہم دیدۂ تر رکھتے ہیں

خاکساری سے جنھیں رتبۂ عالی ہے نصیب
مثلِ خاشاک وہ دریا پہ اثر رکھتے ہیں

پا بہ زنجیر، مقیّد، وہ اسیرانِ جنوں
اک نظر پاؤں پہ اک جانبِ در رکھتے ہیں

خوش کلامی نے ہمیں بخشا ہے رتبہ ورنہ
ہم بھی گفتار میں کچھ برق و شرر رکھتے ہیں

داد و تحسین کی کیا اُن سے توقع ہوگی
جو معائب کو سدا مدّنظر رکھتے ہیں

ان کے احسان کا ہم شکر نہیں کر سکتے
ہر ضرورت پہ ہماری جو نظر رکھتے ہیں

ہم بلا اذن کبھی پیتے نہیں ہیں مہری
جنبشِ ابروئے ساقی پہ نظر رکھتے ہیں

فسانے عشق و الفت کے جہاں خوشتر نکلتے ہیں
ہماری داستاں کے وہ حسیں دفتر نکلتے ہیں

نہ ہم برتر نکلتے ہیں، نہ ہم کمتر نکلتے ہیں
مساوی ہے ہمارا حق ترے ہمسر نکلتے ہیں

جو تم سن لو تو اس کی قدر و قیمت اور بڑھ جائے
حدیثِ شوق میں نایاب کچھ جوہر نکلتے ہیں

جنھیں کچھ تند خو پایا وہ اکثر نرم دل نکلے
”جنھیں نازک بدن سمجھو وہی پتھر نکلتے ہیں“

زمیں کو چیرنا محنت بھی ہے تدبیر بھی لیکن
یہ قسمت ہے کہیں پتھر کہیں گوہر نکلتے ہیں

جو باطل حق سے ٹکرّ لے تو بس اتنا ہی کہنا ہے
قضا آتی ہے چیونٹی کی تو اس کے پَر نکلتے ہیں

مسلماں سوئے مسجد، برہمن جاتے ہیں مندر کو
جو دیوانے ہیں سوئے کوچۂ دلبر نکلتے ہیں

مزہ یہ ہے کہ دامن تک بھی اُن کا تر نہیں ہوتا
جو بحرِ غم میں اکثر ڈوب کر باہر نکلتے ہیں

زمینِ شور سنبل بر نیارد، قولِ سعدیؒ ہے
زمیں اچھی نہ ہو تو شعر کب بہتر نکلتے ہیں

امامِ شہر، میرِ کارواں اور قوم کے لیڈر
جو سچ پوچھو تو مہری سب مُریدِ زر نکلتے ہیں

خوشی سے یوں اترتے ہیں حوادث کے سمندر میں
کہ جیسے نیند آجائے ہمیں آغوشِ مادر میں

جسے دیوانگانِ عشق ہی بڑھتے سمجھتے ہیں
وہ مضموں آ نہیں سکتا کبھی فہم سخنور میں

شعاعِ مہر چھو جاتی ہے جن ناچیز ذرّوں کو
تجلی ریز ہو جاتے ہیں وہ تاریک منظر میں

بجائے کبرِ طاعت جن کو تھی شرمِ گنہ زاہد
وہی رحمت بداماں ہو گئے ہیں دیکھ محشر میں

نہ جانے کیوں ہر اک اعلیٰ ہمیں ادنیٰ نظر آیا
عجب تاثیر دیکھی نعرۂ اللہ اکبر میں

قوافی پر حکومت کر گئے بس حضرتِ اکبرؔ
انوکھے قافیے پاتے ہیں ہم دیوانِ اکبرؔ میں

ہم اس فرقہ کو کیا کہہ کر پکاریں اے جہاں والو!
کہ زید ابنِ علیؓ کا ساتھ چھوڑا جس نے لشکر میں

تکبّر مانعِ فیضانِ حق ہوتا ہے اے مہریؔ
ندامت ہی ندامت ہے ہمارے دیدۂ تر میں

ذلت کے سوا کچھ بھی نہیں آہ و بکا میں
عظمت کی مگر بات ہے تسلیم و رضا میں

ترمیم بھی ہو جاتی ہے فی الفور قضا میں
اللہ نے تاثیر وہ بخشی ہے دعا میں

اس دور کا مخلص ارے توبہ ارے توبہ
وہ طاق نظر آیا ہمیں مکر و دغا میں

رفتار کی اُس کی نہ کوئی حد ہے معین
وہ برق روی جو ہے مری آہِ رسا میں

ملتی ہے حیات ابدی اُس کو یقیناً
سر اپنا کٹا دے جو کوئی راہِ وفا میں

تحسین کے لائق ہے سلیمانؑ کی نظر میں
وہ ہُدہُدِ صادق جو گیا شہرِ سبا میں

تاب اس کی کہاں لاتا وہ فرعون کا جادو
اعجاز جو پوشیدہ تھا موسیٰ کے عصا میں

تاریخ میں وہ زندۂ جاوید رہیں گے
تن من سے جو قربان ہیں اُردو کی بقا میں

وہ دورِ چمن، خیر سے کیا دورِ چمن تھا
جب زہرِ ہلاہل نہیں گھلتا تھا ہوا میں

مجھ کو ہے یقیں آئی ہے چھو کر ترا دامن
یہ دلکشی پہلے تو نہ تھی بادِ صبا میں

ہفتاد و دو ملت کے قضیوں سے ہمیں کیا
جز عشق کوئی چیز نہیں دینِ خدا میں

مستغنی و بے فکر وہی لوگ ہیں مہریؔ
بس جن کی رضا رہتی ہے مولا کی رضا میں

○

واعظِ وقت بھی انساں ہیں بہک سکتے ہیں
نقد پائیں تو یہ موقف سے کھسک سکتے ہیں

ہیں جو بے پیر، نہ پائیں گے وہ منزل کا سُراغ
پَیروِ خضر بھلا کیسے بھٹک سکتے ہیں

مہرِ تاباں سے جو نسبت انہیں حاصل ہو جائے
مثلِ مہتاب یہ ذرّے بھی چمک سکتے ہیں

اُن پرندوں کو بھلا کون کہے گا آزاد
فصلِ گل ہی میں جو کچھ روز چہک سکتے ہیں

پیکرِ صبر و رضا اُف بھی نہ منھ سے نکلے
"ظلم کے ہاتھ کسی روز بھی تھک سکتے ہیں"

رہبرِ قوم جو تھالی کے ہیں بیگن مہری
اعتبار ان کا نہ کر، یہ تو لڑھک سکتے ہیں

○

ہم ناخنِ تدبیر سے الجھن میں پڑے ہیں
تقدیر کے بَل تو تری چتون میں پڑے ہیں
زنجیرِ حوادث کو بھی اپنا لیا ہم نے
پھولوں کے ہیں یہ ہار جو گردن میں پڑے ہیں
ممکن نہیں چھُو جائے ہمیں گردشِ دوراں
محفوظ کچھ ایسے ترے دامن میں پڑے ہیں
انسان کی عظمت کا پتہ ان کو نہیں ہے
جو پیرویِ شیخ و برہمن میں پڑے ہیں
دہرائے نہ ٹھہری کوئی پھر طور کا قصّہ
شعلے ابھی کچھ وادیِ ایمن میں پڑے ہیں

صاحبِ ہوش و خرد واقفِ اسرار نہیں
اہلِ وحشت کے سوا کوئی خبردار نہیں

کیا زمانے میں کوئی تیرا پرستار نہیں
زیبِ مسند ہیں سبھی، کوئی سردار نہیں

گامزن رکھے گا تجھ کو یہ ترا عزمِ جواں
حوصلہ پست نہ کر راہ جو ہموار نہیں

نظمِ گلشن میں ہیں کانٹے بھی برابر کے شریک
صرف گل ہی سببِ رونقِ گلزار نہیں

میں نے پوچھا جو سبب قوم کی گمراہی کا
غیب سے آئی ندا، قافلہ سالار نہیں

تحفۂ دوست ہی ٹھہرا جو بلاؤں کا ہجوم
راہِ تسلیم و رضا میں ہمیں انکار نہیں

تیرگی پہلے بھی چھائی تھی مگر آج کی شب
دور تک بھی تو کہیں صبح کے آثار نہیں

رند بے کیف سے ہیں، ساقیِ مہ رُو ہے اداس
آج میخانے میں جو مہریِ سرشار نہیں

سر ہم اپنا نہ یونہی بزم میں خم کرتے ہیں
شرمگیں آنکھوں سے وہ عذرِ ستم کرتے ہیں

ہم تو نازاں ہیں کسی نور کو دل میں پا کر
فخر کس چیز پہ یہ اہلِ حرم کرتے ہیں

دولتِ ناز اُدھر ہے تو اِدھر جنسِ نیاز
فخر اک چیز پہ وہ ایک پہ ہم کرتے ہیں

بے نیازی نے مری ان کو کیا ہے مجبور
التفات اس لئے سب اہلِ کرم کرتے ہیں

اللہ اللہ نگہِ خاص کا مرکز ہیں ہمیں
چھوڑ کر سب کو جو وہ ہم پہ ستم کرتے ہیں

صفحۂ دہر کی عظمت میں اضافہ ہوگا
کچھ مورخ مری روداد رقم کرتے ہیں

آج ہمدردیِ دنیا جو ہے مجھ کو حاصل
بات یہ ہے کہ ذرا آپ کرم کرتے ہیں

پردۂ جور میں بھی خاص کرم ہوتا ہے
ہیں جو نا اہلِ شکایاتِ ستم کرتے ہیں

عافیت ضبط ہی کرنے میں مجھے ہے مہری
دل کے ارماں تو مرے ناک میں دم کرتے ہیں

ناز اس دل پہ کہ جو غم سے پریشاں بھی نہیں
فخر اس درد پہ جس درد کا درماں بھی نہیں

"عاشقی فنِ شریف است" سنا ہے جب سے
جرمِ پاکیزہ پہ ہم ہیں کہ پشیماں بھی نہیں!

تھا کبھی تارِ نفس، دستِ جنوں کا مرکز
وقت کی بات ہے اب زد میں گریباں بھی نہیں

غیر ممکن جو ہے وہ ہم بھی سمجھتے ہیں مگر
یہ نہ کہیے کہ ملاقات کا امکاں بھی نہیں

جانتے سب ہیں کہ ہے داد کا خواہاں شاعر
غور سے کوئی سنے تو وہ پریشاں بھی نہیں!

کفر ہے دینِ ادب میں متشاعر ہونا
اس سے بڑھ کر کوئی غارت گرِ ایماں بھی نہیں

یہ ضروری تو نہیں ہے کہ سبھی شاعر ہوں
کیا وہ محفل کہ جہاں ایک سخنداں بھی نہیں

آج محفل میں کوئی صاحبِ حس ہی کب ہے
چشمِ بینا تو کجا، دیدۂ حیراں بھی نہیں

مجھ کو کچھ اہلِ بصیرت نے کیا ہے مشہور
میں بظاہر تو ابھی چاک گریباں بھی نہیں

گوشۂ چشمِ کرم امن کا مرکز ہے مجھے
میں وہاں ہوں کہ جہاں گردشِ دوراں بھی نہیں

یاد اُس کی نہ ترے دل سے مٹے اے مہری
کہ ترے پاس کوئی جینے کا ساماں بھی نہیں

○

وجہِ سکونِ قلب ہیں اور نورِ دیدہ ہیں
دونوں کے حق میں آپ بہت برگزیدہ ہیں

پہلے جو سُن چکا تھا وہی آج دیدہ ہیں
اوصاف یعنی آپ کے جو ہیں حمیدہ ہیں

منظر یہ دیدنی ہے ترے سنگِ در پہ آج
دنیا جھکی ہے میرے دل و جاں خمیدہ ہیں

میرے جنونِ غم کا مداوا جنابِ خضر
ویسے تو آپ شیخ ہیں اور سن رسیدہ ہیں

یوں تو ضخیم اپنی کتابِ حیات ہے
اُس کا یہ فیض ہے کہ کچھ اوراق چیدہ ہیں

ایسے بھی کچھ نفوس کا ہم کو ہے تجربہ
ملتے ہیں صاف دل سے بظاہر کبیدہ ہیں

صحرا نورد، جامۂ ہستی کو چاک کر
خوشبو سے پُر جو گل ہیں گریباں دریدہ ہیں

کیف و سرورِ زیست نہ تو اہلِ زر میں ڈھونڈ
مہرؔی یہ ان سے پوچھ کہ جو غم چشیدہ ہیں!

○

خودی کو مٹا کر جیا چاہتا ہوں ... فنا کو برنگِ بقا چاہتا ہوں
جنونِ محبت کا شہکار بن کر ... جہانِ وفا میں لُٹا چاہتا ہوں
ہوس مجھ کو مطلق نہیں سیم و زر کی ... میں اک چشمِ مہر و وفا چاہتا ہوں
خرد نے مری قدر و قیمت نہ جانی ... میں وحشت کے ہاتھوں بکا چاہتا ہوں
مروّت، مودّت، اخوّت، محبّت ... ہر اک شے برائے خدا چاہتا ہوں
جفا یا کرم سے نہیں کوئی مطلب ... ہر اک شے میں تیری ادا چاہتا ہوں
ٹھہر اے اجل ایک لمحہ ٹھہر جا ... اُنہیں اک نظر دیکھنا چاہتا ہوں
چمک کر جو عالم کو پُر نور کر دے ... میں ذرّوں میں ایسی ضیا چاہتا ہوں
مرے ذوقِ سجدہ کی معراج ہے یہ ... ہر اک نقشِ پا پر جھکا چاہتا ہوں

بڑی چیز نسبت ہے دنیا میں مہری
تعلق کا اک سلسلہ چاہتا ہوں

○

شگفتہ جو خوشی میں اور پژمردہ نہ ہوں غم میں
کچھ ایسے پھول بھی پائے ہیں ہم نے باغِ عالم میں
نہ مرہونِ سفارش ہیں، نہ ممنونِ نوازش ہم
نہاں ہر کامیابی ہے ہماری سعیِ پیہم میں
نہ لغزش پائے وحشت میں، نہ خوفِ راہِ پیچیدہ
عجب اک شانِ استغنا ہے اپنے عزمِ محکم میں
ہوئے ظاہر، ملے مٹی میں، نکلے تارۂ آخر
مقامِ جاودانی کا ہے چرچا دونوں عالم میں
نشانِ آدمیت اب زمانے میں نہیں ملتا
ترقی روزمرّہ ہو رہی ہے نسلِ آدم میں
بکھر کر پتّیاں پھولوں کی یہ اعلان کرتی ہیں
ہمیں ہنستا ہی پاؤ گے تباہی کے بھی عالم میں
بتائیں کیا تمھیں مہری نہ سمجھے ہو نہ سمجھو گے
ہمیں جو لطف ملتا ہے کسی سے ربطِ باہم میں

میں مبتدی ہوں مجھے تم منتہی سمجھو
تم اپنے فیض کو میری نہ شاعری سمجھو

نہ فلسفی مجھے سمجھو نہ منطقی سمجھو
فدائے عشق جو ہوتا ہے بس وہی سمجھو

جہاں خوشی سے مرے دل نے ہار مانی ہے
تم اس خلوص کو ہرگز نہ بزدلی سمجھو

میں غم سرشت ہوں ہرگز یہ کہہ نہیں سکتا
"مری حیات کو آسودۂ خوشی سمجھو"

جو مصلحت کے تقاضوں سے میں ہوں مہر بلب
تمھیں بھی چاہیئے اسرارِ خامشی سمجھو

چھپے ہوئے جو خلائق میں ہیں خدا کے ولی
ہر آدمی کو تہِ دل سے اک ولی سمجھو

یہ اور بات ہے تم سے جو کوئی برہم ہے
تم اس پہ غور کرو وجہِ برہمی سمجھو

ہر ایک فرد بشر کو جو ہو سکے مہری
کچھ اور سمجھو نہ سمجھو اک آدمی سمجھو

حکیمِ عقل جو بولا فلاسفی سمجھو
کہا یہ مفتیِ دل نے کہ سرمدی سمجھو

رموزِ منطق و حکمت اگر نہیں معلوم
تو ہم سے آ کے مضامینِ عاشقی سمجھو

میں اپنے دل کا مقلد ہوں دل ہی میرا امام
یہ اور بات ہے تم اس کو گمرہی سمجھو

سرِ نیاز نے مجھ کو کیا ہے سرافراز
سرِ غرور کو ہرگز نہ برتری سمجھو

جو پیش آئے تواضع سے اے جہاں والو!
وہ آدمی ہے اُسے تم بھی آدمی سمجھو

رہِ طلب میں جو دیکھو کسی کو خانہ خراب
اُسی سے دوستو اسرارِ گمرہی سمجھو

تغیرات نہ پہنچے وجودِ مطلق تک
جو حادثات ہیں انکو بھی عارضی سمجھو

یہ دنیا ایک طلسمِ حسیں تو ہے مہری
جو ہو سکے تو اسے بے وفا پری سمجھو

ڈوبا ہے نہ ڈوبے گا کبھی اپنا سفینہ
ہیں آپ جو مائل بہ کرم شاہِ مدینہ ﷺ

دریائے کرم خشک ہو ممکن ہی نہیں ہے
خالی نہیں ہوگا کبھی رحمت کا خزینہ

وہ عہدِ رسالت بھی تھا کیا عہدِ رسالت
جس عہدِ رسالت میں تھا پتھر بھی نگینہ

اس دور کا انساں ارے اس دور کا انساں
تصویرِ محبت ہے مگر دل میں ہے کینہ

ہر طالبِ حق طالبِ احمدؐ نہ ہو کیوں کر
ہر بام پہ جانے کے لیے ہوتا ہے زینہ

ایمان سلامت ہے تو سب کچھ ہے سلامت
لُٹ جائے نہ ہمدم کہیں ایماں کا خزینہ

میں جنسِ ندامت سے لیے محشر میں کھڑا ہوں
رحمت ہے خریدار، لٹاتی ہے خزینہ

'اَلطّارِحُ لی' جب سے کہ مہری نے سنا ہے
قربانِ رسالت پہ ہے قرباں یہ کمینہ

مساجد اور بت خانے ہیں فرزانوں سے وابستہ
زہے قسمت کہ ہم رہتے ہیں میخانوں سے وابستہ

چمن میں آگ پھیلی ہے نشیمن جل گئے لیکن
ہے اپنی داستانِ غم نگہبانوں سے وابستہ

خدا کے فضل سے روزی جو اپنی کسب کرتے ہیں
وہ کب ہوں گے کسی حاتم کے احسانوں سے وابستہ

ہماری اور تمھاری گفتگو میں فرق ظاہر ہے
حقیقت منسلک ہم سے تم افسانوں سے وابستہ

بجز اہلِ نظر کوئی انہیں سمجھے تو کیا سمجھے
رموزِ عشق و الفت ہیں جو دیوانوں سے وابستہ

یہ نادانی ہماری ایک رمزِ عاقلانہ ہے
کہ دانا ہو کے ہم ہوتے ہیں نادانوں سے وابستہ

مزہ لیتے ہیں اہلِ علم و دانش اس کا اے مہری
تمھاری فکرِ عالی ہے سخن دانوں سے وابستہ

دلِ حزیں کی تمنا کو ہم دبا کے چلے
خدا کا شکر، یہ دولت نہ ہم لٹا کے چلے

ہم اپنا قصۂ غم جب انہیں بتا کے چلے
مصاحبوں نے یہ پوچھا وہ کیا سُنا کے چلے

حدیثِ غم کو وہ سوچیں گے اور سمجھیں گے
بڑے لطیف کنایہ میں ہم سُنا کے چلے

حواس باختہ، ششدر کھڑا رہا پہروں
وہ عیشِ ماضی کی دنیا کو یوں جگا کے چلے

دلِ شکستہ کی آہیں، ارے خدا کی پناہ
کہ جھونکے آج یہاں آتشیں ہوا کے چلے

طلب ہوئی جو معاصی کی بزمِ غفراں میں
سیاہ نامۂ اعمال ہم اُٹھا کے چلے

وہ خانقاہ میں پہنچے تو میرِ مجلس تھے
جو میکدے میں ذرا دیر پی پلا کے چلے

بنا ہے مشعلِ رہ ایک تارِ نسبت کا
کہ ظلمتوں میں اسی کا دیا جلا کے چلے

حیات نام ہے ذکرِ حبیب کا مہرؔی
اگر ہم اس کو بھلا دیں تو بن قضا کے چلے

آج بھی جب کہ دار باقی ہے
شوقِ دیوانہ وار باقی ہے

امتحاں سب کا کر چکے ہیں آپ
اک دلِ نابکار باقی ہے

نہ ہوئی ختم اس کی زیبائش
اب بھی تزئینِ دار باقی ہے

پہلے ہم انتظار کرتے تھے
اب تجھے انتظار باقی ہے

مٹ چکا ہے خوشی کا آج وجود
صرف غم کی پکار باقی ہے

دستِ وحشت ابھی نہ ہمت ہار
سانس کا ایک تار باقی ہے

میکدہ بھر گیا ہے لوگوں سے
کون ذی اعتبار باقی ہے؟

اس کے عہدِ شباب میں واعظ
کوئی پرہیزگار باقی ہے؟

منتِ غیر کیوں اٹھائیں ہم
اپنا پروردگار باقی ہے

وہم کے بت کو کس طرح پوجیں
شاہدِ اعتبار باقی ہے

مٹ گئے ہیں نقوش سب دل کے
ایک تصویرِ یار باقی ہے

ہے مرے حق میں عروۃ الوثقیٰ
یہ جو نسبت کا تار باقی ہے

ہم کو مہرِ رضی سے ہے نسبت
اس لئے کچھ وقار باقی ہے

دیوانگانِ عشق کو آسودگی ملی
اے اہلِ عقل تم کو بھی راحت کبھی ملی

اہلِ جنوں ہی پائے گئے فائز المرام
شرمندہ ہیں وہ لوگ جنھیں آگہی ملی

مندر میں بھی فساد تھا مسجد میں بھی نزاع
میخانہ کی زمیں پہ ہمیں آشتی ملی

یہ تھا جنوں کا فیض کہ اہلِ نظر ہوا
ذروں میں مجھ کو مہر کی تابندگی ملی

دیوانگی کو ہم نے ازل ہی میں چن لیا
اہلِ خرد کو حصّے میں بس عقل ہی ملی

عہدِ شباب زیست کی معراج ہی سہی
لیکن حیاتِ خضر کی اس میں کمی ملی

ساقی کی اک نگاہ نے سیراب کر دیا
رکھّی تھی آنکھ ہم نے تو یوں ہی ملی ملی

آغوشِ تیرگی میں جو پل کر جواں ہوا
گھبرا کے مر گیا جو اُسے روشنی ملی

کعبہ بھی پُر خطر تھا، کلیسا بھی پُر خطر
اک امن کی جگہ تو تمھاری گلی ملی

اپنا سیاہ نامۂ اعمال جب کھلا
بخشش کی اک لکیر بخطِ جلی ملی

مہرؔی جو ہو سکے تو حقیقت نگار بن
ہم کو ترے کلام میں کچھ شاعری ملی

جادو بھرا وہ آپ کا قول و قرار ہے
گو تجربہ غلط ہے، مگر اعتبار ہے

شاید گذر کسی کا بنے باعثِ نجات
اک نقشِ پا کی آس میں لوحِ مزار ہے

کیا ہم سمیٹ لائے ہیں صحرائے عشق سے
اکسیر مل گئی ہے، بظاہر غبار ہے

دانائے راز ہم کو تو سب رند ہی ملے
نا محرم ایک زاہدِ شب زندہ دار ہے

میں نے تو ہنس کے بارِ امانت اٹھالیا
انعام یہ ملا کہ بڑا نابکار ہے

نفرت کی آندھیوں سے تو موسم بدل گئے
پہلی سی کب وہ گردشِ لیل و نہار ہے

کانٹوں نے لاج رکھی ہے دامن کو تھام کر
کھاؤ فریبِ گل، یہ تمھیں اختیار ہے

لوٹ آئے ڈوبنے سے ابھی کشتیِ حیات
اک جنبشِ نگاہ پہ دار و مدار ہے

وہ آتشِ جنوں جو شرف دے خلیل کا
گلشن ہے امن کا، یہ نہ سمجھو کہ نار ہے

قسمت سے ہاتھ آیا ہے چھوڑونگا کب اُسے
ستّارِ صد عیوب، جو دامانِ یار ہے

وہ ملتفت ہیں تہریِ غمگیں کے حال پر
سچ ہے اب اُس پہ رحمتِ پروردگار ہے

گناہ کرکے ہمیں جس قدر ندامت ہے
کسی کی ذات سے پوشیدہ ایک نسبت ہے
وفا سرشت نہ ہوتے تو صاف چھٹ جاتے
یہ جرم ہی تو مگر باعثِ حراست ہے
نہ زہد ہے، نہ ریاضت، جنسِ حسنِ عمل
ہمارے پاس تو سرمایۂ ندامت ہے
پسِ گناہ جو دل سے کوئی جھکا دے سر
اس انفعال پہ صدقہ خدا کی رحمت ہے
اداشناس جو دل سے انہیں کیا تسلیم
تو عرضِ حال کی پھر اُن سے کیا ضرورت ہے
میں زندہ کیسے تھا یہ تو کبھی نہیں سوچا
مری وفات پہ کس درجہ ان کو حیرت ہے
خرد کا باغ تو اک مرکزِ مصائب تھا
مقام امن اگر ہے تو دشتِ وحشت ہے
سکوت جرم کا اقبال ہی سہی ٹھہری
خموش رہنا ہی دنیا میں عین راحت ہے

جنوں جب سے شناسا ہو گیا ہے
مجھے خود پر بھروسا ہو گیا ہے

خلوص اب نام ہے مکر و دغا کا
یہ سکّہ آج کھوٹا ہو گیا ہے

بصیرت اے جنوں پائی وہ تو نے
کہ اب ادراک اندھا ہو گیا ہے

بدل دو اب تعلّق کا کوئی نام
محبّت کا جو چرچا ہو گیا ہے

صنم خانے کے بُت حیراں کھڑے ہیں
تیری وحدت پہ سکتا ہو گیا ہے

دلِ مومن کی عظمت اللہ اللہ
حقیقت میں یہ کعبا ہو گیا ہے

ترے دامن کو چھُو کر اب مرا ہاتھ
حریفِ دستِ موسیٰ ہو گیا ہے

ترے چھپنے سے کیوں اہلِ جہاں کو
مری صورت پہ دھوکا ہو گیا ہے

بظاہر ہے جو اک مٹّی کا پُتلا
خدا جانے وہ کیا کیا ہو گیا ہے

بنو مہری تم اب غم ہی کے خوگر
سکونِ دل تو عنقا ہو گیا ہے

مئے رازِ حقیقت سے جو کوئی چُور ہوتا ہے
زباں سے کام لینے پر نہ وہ مجبور ہوتا ہے

خودی کا جام ٹپکا ہے کمال ہوش مندی سے
نہ رکھ تہمت کہ مستِ بے خودی مغرور ہوتا ہے

سنہرا خواب بن کر جس کی امیدیں شکستہ ہوں
ہجوم یاس ہیں اکثر وہی مسرور ہوتا ہے

محبت شیوۂ تسلیم ہی کو ہم سمجھتے ہیں
کوئی مجبور کرتا ہے کوئی مجبور ہوتا ہے

تری آنکھوں کی جنبش یاد جب آتی ہے مےکش کو
وہ اکثر بے پیے وارفتہ و مخمور ہوتا ہے

تصوّر میں تری قربت اُسے حاصل ہے ہر لحظہ
جو دیوانہ تری محفل سے کوسوں دور ہوتا ہے

نظامِ دہر بدلا ہے نہ بدلے گا کبھی ناداں
عبث تسخیرِ انجم میں تو تھک کر چُور ہوتا ہے

وجودِ حضرتِ باری پہ استدلال کیا معنی
بتا منکر کہ قادر بھی کہیں مجبور ہوتا ہے

تمنّائے دلی کہتا ہے وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں
جو دستورِ زباں بندی سے کچھ مجبور ہوتا ہے

تامّل کچھ نہ کر مہری اب اظہارِ حقیقت میں
تری بے لوث باتوں سے ہر اک مسحور ہوتا ہے

○

گردشِ وقت سے حالت جو سنور جائے گی
دفعتہً آپ کے گیسو پہ نظر جائے گی

دائمی امن کا مرکز ہے تو بس بحرِ فنا
زندگی موج کے مانند گزر جائے گی

عقل کے ہاتھ نہ رکھ مالک و مختارِ جنوں
زندگی تلخیِ حالات سے بھر جائے گی

لغزشِ پا کی خطا کوئی کہے گا کیوں کر
بزم کی آپ کے چہرے پہ نظر جائے گی

تیرا وعدہ تو بہر حال ہمیں ہے معلوم
داغِ حسرت لئے یہ شب بھی گزر جائے گی

رات الجھے گی جو دامانِ سحر سے مہری
تیرگی کی وہیں زنجیر بکھر جائے گی

تلاشِ منزلِ راحت تو ہر عاقل کی فطرت ہے
جو اُس منزل پہ فائز ہیں جنوں سے انکو نسبت ہے
خودی، پندار، نخوت کے تو خوگر ہیں جہاں والے
ہمیں تو باعثِ صد فخر احساسِ ندامت ہے
وقارِ شیرِ مرداں جو گھٹا دیتی ہے دم بھر میں
وہ انساں کی ضرورت ہے، ضرورت ہے، ضرورت ہے
محبت ابتدا اپنی، محبت انتہا اپنی
نہ دوزخ کا ہے ڈر ہم کو نہ جنت کی ضرورت ہے
خرد گم کردہ منزل، جنوں آسودہ منزل
وہ انجام مشقت ہے، یہ انعام مشیّت ہے
محبت کا تقاضا ہے کہ نہری ہونٹ سل جائیں
مگر اظہارِ مطلب تو ہر اک انساں کی فطرت ہے

○

خلوص و مہر کا حامل جو اک انساں ہوتا ہے
زمانے کی نگاہوں میں وہی ذی شان ہوتا ہے
خُدا جس آدمی کو چاہے وہ اس کا خلیفہ ہو
وگرنہ آدمی یوں تو ہر اک انسان ہوتا ہے
کوئی رندِ خراباتی، کوئی مسجد کا مولانا
ہر انساں کی طبیعت کا جدا رجحان ہوتا ہے
مظالم سے بھی کٹ سکتی نہیں الفت کی زنجیریں
محبت کا اثر زائل کہیں نادان ہوتا ہے
کہاں ہیں طالبِ دیدارِ جاناں سامنے آئیں
فرازِ طور سے اب تک یہی اعلان ہوتا ہے
ہوں دل پر جس قدر چوٹیں مرتب اتنی غزلیں ہوں
مکمل پھر کسی شاعر کا اک دیوان ہوتا ہے
خموشی کے بنو خوگر جہاں تک ہو سکے مہری
کہ اظہارِ محبت سے بڑا نقصان ہوتا ہے

نامۂ اعمال پر حاوی اگر تقدیر ہے
ہم کو پھر پاداش پر کیوں شرم دامن گیر ہے
ذہن میں ہیں جاگزیں اس طرح ماضی کے نقوش
جس طرح مربوط اک اک حلقۂ زنجیر ہے
وقت کی رفتار سے سب نقشِ باطل مٹ گئے
آج تک محفوظ دل میں اک تری تصویر ہے
غنچۂ دل کھل گیا ہے حرفِ رنگیں دیکھ کر
شاہکارِ گلشنِ معنی تری تحریر ہے
فیضِ حق فیضِ رضیِ ناطقی ہے سربسر
مہرِ شیریں سخن کب بندۂ بے پیر ہے
"چار دن صحبت میں جو بیٹھا سخن داں ہو گیا"
مصرعۂ حضرت جلیل اس راز کی تفسیر ہے

تجھے کیا بتاؤں میں اے محب، ترا غم جو مجھ کو نصیب ہے
یہ نگاہِ مہر بھی مضطرب، مرے دردِ دل کے قریب ہے

یہ عنایتیں، یہ نوازشیں، یہ عطا و جود کی بارشیں
ترے فیض کی ہیں نمائشیں، کہاں میرا ایسا نصیب ہے

رہِ زہد ایک سبیل ہے، رہِ عشق اس کی مثیل ہے
یہ ہے مختصر، وہ طویل ہے، وہ بعید ہے، یہ قریب ہے

کوئی شادِ بزمِ صنم سے ہے، کوئی مست ساغر و جام سے
مرا مشغلہ ترے غم سے ہے، ترا غم ہی میرا حبیب ہے

مرے عشق کی ہیں حکایتیں، سنیں آپ نے جو روایتیں
ہے ستم کا نام عنایتیں، یہ معاملہ بھی عجیب ہے

مرا غم ہوا ہے جو معتبر، غمِ دو جہاں سے ہوں بے خبر
مری داستاں تو ہے مختصر، ترا غم ہی میرا نقیب ہے

چلا مہرؔ ہی چھوڑ کے میکدہ، کیا ترک اس نے جو مشغلہ
دیا میکشوں نے یہ مشورہ، کہ بہار اب تو قریب ہے

○

قیدِ آدابِ جنوں آج اٹھا دی جائے
ہر تماشائی کی تقدیر جگا دی جائے

جگمگا اٹھیں گے دیپک جو بجھے ہیں سارے
دل کے زخموں کو نگاہوں سے جلا دی جائے

فکرِ فردا کے تصوّر میں اضافہ ہوگا
یادِ ماضی کی اگر دل سے بھُلا دی جائے

خارزاروں میں نہیں عارضی موسم کی طلب
یہ خبر اہلِ گلستاں کو سُنا دی جائے

بزمِ جاناں میں پہنچ کر جو ہوا ہے مدہوش
ہو سکے تو اُسے آنچل کی ہوا دی جائے

ہم تو طالب ہیں بہرحال طلب رکھتے ہیں
آپ جس در پہ کہیں جا کے صدا دی جائے

آج حق گوئی کا ہم کو بھی ملے گا انعام
"منزلِ دار قرینے سے سجا دی جائے"

سانس لینا جو نشیمن میں کٹھن ہے ٹھہری
سارے گلشن میں نہ کیوں آگ لگا دی جائے

تجھے کیا بتاؤں میں اے محب، ترا غم جو مجھ کو نصیب ہے
یہ نگاہِ مہر بھی مضطرب، مرے دردِ دل کے قریب ہے

یہ عنایتیں، یہ نوازشیں، یہ عطا و جود کی بارشیں
ترے فیض کی ہیں نمائشیں، کہاں میرا ایسا نصیب ہے

رہِ زہد ایک سبیل ہے، رہِ عشق اس کی مثیل ہے
یہ ہے مختصر، وہ طویل ہے، وہ بعید ہے، یہ قریب ہے

کوئی شاد بزم صنم سے ہے، کوئی مست ساغر و جام سے
مرا مشغلہ ترے غم سے ہے، ترا غم ہی میرا حبیب ہے

مرے عشق کی ہیں حکایتیں، سنیں آپ نے جو روایتیں
ہے ستم کا نام عنایتیں، یہ معاملہ بھی عجیب ہے

مرا غم ہوا ہے جو معتبر، غمِ دو جہاں سے ہوں بے خبر
مری داستاں تو ہے مختصر، ترا غم ہی میرا نقیب ہے

چلا مہری چھوڑ کے میکدہ، کیا ترک اس نے جو مشغلہ
دیا میکشوں نے یہ مشورہ، کہ بہار اب تو قریب ہے

○

قیدِ آدابِ جنوں آج اٹھا دی جائے
ہر تماشائی کی تقدیر جگا دی جائے

جگمگا اٹھیں گے دیپک جو بجھے ہیں سارے
دل کے زخموں کو نگاہوں سے جلا دی جائے

فکرِ فردا کے تصوّر میں اضافہ ہوگا
یادِ ماضی کی اگر دل سے بھلا دی جائے

خار زاروں میں نہیں عارضی موسم کی طلب
یہ خبر اہلِ گلستاں کو سُنا دی جائے

بزمِ جاناں میں پہنچ کر جو ہوا ہے مدہوش
ہو سکے تو اُسے آنچل کی ہوا دی جائے

ہم تو طالب ہیں بہر حال طلب رکھتے ہیں
آپ جس در پہ کہیں جا کے صدا دی جائے

آج حق گوئی کا ہم کو بھی ملے گا انعام
"منزلِ دار قرینے سے سجا دی جائے"

سانس لینا جو نشیمن میں کٹھن ہے ٹھہری
سارے گلشن میں نہ کیوں آگ لگا دی جائے

○

○

دیوانگی پہ میری گھر گھر جو تبصرا ہے
نسبت سے تیری مجھ کو یہ مرتبہ ملا ہے
ساقی تری نظر کا جادو نہیں تو کیا ہے
ہر رند بے پیئے ہی مخمور ہو گیا ہے
ہونٹوں کو اپنے سی کر میں مطمئن ہوا تھا
رازِ جنونِ الفت آنکھوں نے کہہ دیا ہے
زنجیر و طوقِ زنداں زیبائشِ جنوں ہیں
پھولوں کا ہار گویا ہیں نے پہن لیا ہے
مقبولِ عام کیوں ہے ہر من گھڑت فسانہ
احوالِ واقعی پر پردہ جو پڑ چکا ہے
ذلت کو اپنی ذلت اے کاش ہم سمجھتے
احساس یہ نہیں ہے، احساس ہی دوا ہے
باطل کے آگے ٹھہری واللہ اس جہاں میں
ہرگز نہیں جھکے گا جو بندۂ خدا ہے

احساسِ کمتری میں کیوں مبتلا ہوا ہے
عالم کا جو خدا ہے تیرا بھی وہ خدا ہے
یہ ذوقِ خود نمائی تیری نہیں تو کیا ہے
عکسِ جمیل بن کر ذرّوں میں رونما ہے
مابین میرے اُس کے ایسا ہے اک تعلق
خود میرے ہمدموں کو جس کا نہ کچھ پتا ہے
عقل و خرد سے مانا کچھ راستے ہیں سُدھرے
فیضِ جنوں سے لیکن عالم سنور گیا ہے
اُس اک نگہ کے قرباں حل ہو گئے مسائل
کب ہم نے کچھ کہا ہے کب اس نے کچھ سُنا ہے
ہم عصر کچھ ہیں بدظن مقبولیت سے میری
آنکھوں میں اُنکی جیسے کانٹا کھٹک رہا ہے
روحِ کمالِ فن ہے مشق و ریاض تیری
کامل نہیں وہ کامل، ڈگری جو پا گیا ہے

○

خدا جانے محبت میں مرے دل کو ہوا کیا ہے
مجھے خود بھی نہیں معلوم اس کا مدعا کیا ہے
اُسے ناواقفِ اسرارِ الفت ہم سمجھتے ہیں
جو ہم سے آ کے یہ پوچھے وفاؤں کا صلہ کیا ہے
مری شعلہ فشاں آہیں جلا ڈالیں گی گلشن کو
شرار و برق کی زد میں نشیمن کے سوا کیا ہے
مآل اندیشیاں میری اگر مانع نہ آ جائیں
تو میں سب کو بتا دیتا مری آہِ رسا کیا ہے
زر اندوزی سے مقصد جن کا ہو قارون بن جانا
وہ کیا جانیں وہ کیا سمجھیں کرم کی سخا کیا ہے
کبھی تقوا شکن چہرہ کبھی توبہ شکن گیسو
بجز اس کے تصوّر میں ترے اے پارسا کیا ہے
حسینؓ ابنِ علیؓ شمعِ وفا شمعِ ہدایت ہیں
ہمیں بھی چاہیے سمجھیں تقاضائے وفا کیا ہے
متاعِ دردِ دل کم یاب ہے دنیا میں اے مہری
متاعِ عیش ارزاں ہے مگر اس میں مزا کیا ہے

معراج یہ جنوں کی ہے قسمت سنور گئی
دزدیدہ وہ نظر جو مرے حال پر گئی

مخمور کرنا تھا جسے مخمور کر گئی
ویسے تو اک ہجوم پہ تیری نظر گئی

اب دل نواز صبحِ مسرت سے کیا غرض
شامِ الم جو لذتِ غم سے سنور گئی

محروم ہو کے پلٹی ہمیشہ نگاہِ شوق
کیا انقلاب اک نگہِ یاس کر گئی

حیرت زدہ صنم ہیں تو ششدر ہیں آئنے
اے چشمِ شوق تیری بصیرت کدھر گئی

تسخیرِ دیر و کعبہ ہے توہینِ جستجو
محدود دائروں پہ نہ میری نظر گئی

جلوہ تو خود فریفتہ اس اک نظر کا تھا
حدِّ تعینات کو جو پار کر گئی

اپنی تباہیوں کا کروں شکر کیا ادا
نظارہ آج وہ نگہِ ناز کر گئی

ثابت نہیں ہیں کیا مئے عرفاں کی مستیاں
سرمد بنا گئی، کبھی منصور کر گئی

بے چارگیِ عشق پہ رونا بھی ہے مفید
آنسو نکل پڑے تو طبیعت ٹھہر گئی

سفاکیوں میں طاق تھی ٹھہری وہ اک نظر
معصومیت کی آڑ لئے جو گزر گئی

○

ہر اشارہ جو برملا جانے
اس کو ہرگز خدا نہیں ملتا
عقل ہی کو جو مقتدا سمجھے
ابتدا عشق کی تباہی ہے
مرحبا میری خوئے رندانہ
دیر و کعبہ کی آج ہے تخصیص
میری ہر بات جانتے ہیں وہ

کاش دل کا وہ مدعا جانے
جو خودی کا نہ فلسفہ جانے
وہ جنوں کا مقام کیا جانے
انتہا کیا ہے یہ خدا جانے
رند سمجھے نہ پارسا جانے
بندگی امتیاز کیا جانے
ان کی ہر بات کو خدا جانے

جو گزرتی ہے دل پہ اے مہری
کوئی غم خوار اس کو کیا جانے

٭

دلِ وحشت زدہ کی حشر سامانی نہیں جاتی
قیامت ڈھا چکا ہے پھر بھی نادانی نہیں جاتی

وہ ناکامِ محبت ہم ہیں گر گر کر بھی اٹھتے ہیں
امیدیں مضمحل ہیں، پھر بھی جولانی نہیں جاتی

مری چشمِ تجسس کی یہی معراج ہے شاید
ترے جلووں میں گم ہو کر بھی حیرانی نہیں جاتی

بجھانے سے جو بجھ سکتی نہیں وہ شمعِ الفت ہے
اندھیرے میں کبھی جگنو کی تابانی نہیں جاتی

بڑا احسان ہے مجھ پر مری مشقِ تصور کا
مری آنکھوں سے اب وہ شکلِ نورانی نہیں جاتی

جنوں دارِ رہبری کا یہ اثر ہے تیرے وحشی پر
حوادث میں گھرا ہے، خندہ پیشانی نہیں جاتی

وہی ہے آرسی لیکن نہ جانے ماجرا کیا ہے
خود اپنی شکل و صورت ہم سے پہچانی نہیں جاتی

رہا ہو کر بھی اکثر وہ اسیرِ دام ہوتا ہے
دلِ معصوم و سادہ کی یہ نادانی نہیں جاتی

ترحم ہم کو مہری عادتاً پھر آ ہی جاتا ہے
جب ان مجرم نگاہوں سے پشیمانی نہیں جاتی

❋

محفل میں بس ہمیں سے نظر اُس نے چار کی
تاثیر دیکھئے نگہِ شرمسار کی

مہماں نواز خاک جو ہے کوئے یار کی
معراج یہ ہوئی ہے غریب الدیار کی

ہم کو نہیں بہارِ چمن کی کوئی ہوس
کرتے ہیں سیر اپنے دلِ داغدار کی

ہم نے لہو بہا کے بچائی ہے آبرو
رکھ لی ہے لاج ہم نے وطن کے وقار کی

وحدت کا میکدہ تو ہمارے لیے بھی ہے
یہ خانقہ نہیں ہے تہجد گزار کی

ممکن ہے اپنے وقت کا وہ شہسوار ہو
توہین کیجیے نہ کسی خاکسار کی

ساقیؔ کی چشمِ فیض کا حقدار وہ ہوا
معراج ہے یہ رندِ قناعت شعار کی

مہرؔی تمہارے واسطے اکسیر ہے وہی
رل جائے خاک بھی جو تمہیں کوئے یار کی

نسبت ہے خاص مجھ کو جنونِ خراب سے
حیراں ہیں عقل و ہوش مرے انتساب سے

رازِ جنوں کو اہلِ جنوں ہی سے پوچھیے
لیکن نہ پوچھیے یہ فراست مآب سے

افسوس آج ہم کو پڑھاتے ہیں وہ سبق
جو خود ہیں مستفید ہماری کتاب سے

میری نظر نے کتنے ہی پردے کیے ہیں چاک
اس کو فریب دیجیے نہ رنگیں نقاب سے

وہ لوحِ دل پہ آج تو خود ہی ابھر گیا
جو نقش مٹ گیا کسی فردِ حساب سے

دل کی کتاب چشمِ حقیقت نگر سے دیکھ
بہتر کوئی صحیفہ نہیں اس کتاب سے

پایا ہے ہم نے خود کو ہی اپنے جواب میں
قاصر رہا زمانہ ہمارے جواب سے

تعمیرِ نو کے راز سے واقف ہیں ہم مگر
یوں دیکھنے میں لگتے ہیں خانہ خراب سے

مہری سے لب کشا ہوئے وہ بزمِ ناز میں
مرجھا کے رہ گئے سبھی چہرے گلاب سے

نہ سادگی میں رہی اور نہ بانکپن میں رہی
وہ دلکشی کی ادا جو ترے چلن میں رہی
طوافِ دشتِ جنوں کو چلے ہیں اہلِ خرد
خطا معاف نہ جب آبرو چمن میں رہی
عجب نہیں ہمیں راس آئے وادیِ غربت
سکونِ قلب کی صورت نہ اب وطن میں رہی
چراغِ مہر و وفا کو بجھا سکا نہ کوئی
اسی کی روشنی قائم ہر انجمن میں رہی
دیا نہ آرزو کو لیکن کسی نے کوئی مقام
یہ بحث گرم تو ہر محفلِ سخن میں رہی
خدا کا شکر ہے فیضِ رضیؔ سے اے مہری
تمھاری دھاک ہر اک محفلِ سخن میں رہی

○

حیا کی جان کہیے یا اُسے جلووں کی رعنائی
بہر صورت نمایاں ہے نظر کی کارفرمائی

جنونِ غم رہا صبحِ ازل سے جس کا شیدائی
وہ میری لیلۃ القدر آج تک ہے شامِ تنہائی

اُدھر وہ روئے تاباں ہے اِدھر اک دیدۂ حیراں
نظارا ہی نظارا ہے بصیرت ہے نہ بینائی

مجھے ہر غم غمِ جاناں ہی اب محسوس ہوتا ہے
ترے صدقے، ترے قرباں، اے جانِ پذیرائی

کہیں بے لوث ہمدردی کہیں ہے مصلحت بینی
سیاست کا کوئی بندہ، کوئی خدمت کا شیدائی

حرم اور دیر کے جھگڑوں سے ہم محفوظ رہتے ہیں
کچھ ایسی راس آئی ہے ترے در کی جبیں سائی

کسی کامل سے نسبت ہو تو اکثر فیض ہوتا ہے
کوئی رنگِ ادب کس طرح سمجھے گا یہ گہرائی

مئے عرفاں کی مستی سے نہیں واقف وہ اے مہری
جو بدمستی کی خاطر ہے مئے گلگوں کا شیدائی

❁

بصیرت کا یہ عالم ہے بہ فیضِ چشمِ ایمانی
نظر آتا ہے ہر ذرّہ میں اب تو نورِ یزدانی

مرے ذہنِ رسا کی کارفرمائی بھی قاصر ہے
تصوّر میں نہیں آتا مقامِ ظلِّ سبحانی

بلندی سے گرانی ہیں ہماری لغزشیں اکثر
یکایک تھام لینا ہے ہمیں وہ فضلِ رحمانی

سبق تھوڑا سا پڑھ کر یاد کر لینا ضروری ہے
کتب بینی کا مطلب تو نہیں اوراق گردانی

وظیفہ اس سے بڑھ کر اپنے مسلک میں نہیں کوئی
"الٰہی خیر گردانی بحقِ شاہ جیلانی"

فراوانی ہر اک شے کی تو ہے نقصان کا باعث
افادہ بخش ہے لیکن محبت کی فراوانی

تغیّر ہی پہ قائم ہے نظامِ دہر اے مہری
کبھی ہے خانہ ویرانی، کبھی ہے عیش سامانی

یادِ ماضی بھی ہمیں جو نہ خوش انجام ہوئی
غم غلط کرنے کی تدبیر بھی ناکام ہوئی

اب بعنوانِ دگر فکرِ سخن ہو مخصوص
داستانِ رخ و گیسو تو بہت عام ہوئی

کیا نہیں پایا کبھی ڈوب کے موتی اس نے
سعیِ پیہم کسی غواص کی ناکام ہوئی

یہ اثر گردشِ افلاک کا دیکھا ہم نے
یعنی ہر صبح کے بعد ایک نئی شام ہوئی

کھل گئیں آپ سے آپ آہنی زنجیریں سب
جب کہ مائل بہ کرم گردشِ ایام ہوئی

دیکھ کر میری خوش حالی کو ہر حال میں خوش
مضمحل اور خجل گردشِ ایام ہوئی

مثلِ حبابِ بحر ہماری حیات ہے
یعنی بساطِ دہر پہ مہروں کی مات ہے
زندہ ہے بس وہی جسے کہتے ہیں لاموت
اُس کی تو موت ہے جو بقیدِ حیات ہے
حل ہو سکا کسی سے خودی کا نہ فلسفہ
جس فلسفی کو دیکھیے وہ محوِ ذات ہے
لرزاں ہوں خوف سے کہ وہ برہم مزاج ہیں
لرزیدہ جس مزاج سے کل کائنات ہے
محشر کی صبح آئے تو اس کی بھی صبح ہو
بیگانۂ سحر جو ہماری یہ رات ہے
ہر روز روزِ عید گلستاں کی تھی وہ بات
ہر شب شبِ فراق یہ زنداں کی بات ہے
سگ ہو کے کوئے غوثؒ کا مہری ہوا ہے شیر
اس کو نہیں ہے خوف یہ نسبت کی بات ہے

چلا جاؤں اُن کا اشارا نہیں ہے
مری حاضری بھی گوارا نہیں ہے
مرے بحرِ غم کا کنارا نہیں ہے
بجز ڈوب جانے کے چارا نہیں ہے
ہوس دید کی تو مجھے بھی ہے لیکن
یہ پردہ نشیں کو گوارا نہیں ہے
غموں کی تو بہتات ہے غم کدہ میں
کوئی غم ترے غم سے پیارا نہیں ہے
تجلّی ابھی کیوں ہے بیتاب و مضطر
نگاہوں کو ہم نے سنوارا نہیں ہے
جہاں دل کہے دل سنے رازِ الفت
زباں کا وہاں کچھ سہارا نہیں ہے
دبستانِ ناطقؔ میں آؤ تو ٹھہری
کوئی اس سے بہتر ادارا نہیں ہے

کوئی مونس نہ کوئی ہمدم ہے
ہم تو ہے تو آپ کا غم ہے
شیخ سعدیؒ کا قول محکم ہے
ابنِ آدم نہیں، جو بے غم ہے
قصۂ غم کی ہو گئی معراج
سن لیا آپ نے، یہ کیا کم ہے
دل کی دنیا بھی ہے تہہ و بالا
آج ان کا مزاج برہم ہے
آپ کے عہد میں کمی بیشی
فتنے زائد ہیں، آشتی کم ہے
پل میں ہو جائے کیا سے کیا جانے
کن فکاں پر نظامِ عالم ہے
آج کے تجربے یہ کہتے ہیں
دوستی بھی غرض میں مدغم ہے
امتیاز اب نہیں رہا کوئی
زہر بھی آج قند میں ضم ہے

مصائب سے ٹکرائے پامال گزرے
وہ کیا زندگی ہے جو خوش حال گزرے

ستائش کے قابل ہیں احوال جن کے
تمہاری نظر سے وہ بدحال گزرے

محبت کے رہرو ہر اک رہگذر میں
بہ اجلال ٹھہرے بہ اقبال گزرے

شب و روز کا فرق جن میں نہیں تھا
کچھ اپنے بھی ایسے مہ و سال گزرے

انہیں میں کوئی میر طفلاں بھی ہوگا
ہماری نظر سے جو اطفال گزرے

سبھی کچھ سنا ہمنوا ان کے ہم سے
مگر حرف مطلب کو وہ ٹال گزرے

محبت کا کعبہ بنے گا وہیں پر
جہاں بھی کوئی صاحب حال گزرے

جو بخشش ہوئی تو ہوئی فضل رب سے
بھروسے کے قابل نہ اعمال گزرے

جنون محبت کا تھا فیض مہری
روش میں تم اپنی خوش امثال گزرے

O

نہ اہلِ خرد ہے نہ اہلِ ہنر ہے
یہ دیوانہ پھر بھی بہت معتبر ہے

نہ دیدارِ گیسو نہ رُخ پر نظر ہے
"مزہ شام کا ہے نہ لطفِ سحر ہے"

دعا تو بظاہر بہت پُر اثر ہے
مقدر کی لیکن مجھے کیا خبر ہے

کہیں ہے وہ ظاہر کہیں مُستتر ہے
تجلّی خود اپنی جگہ دیدہ ور ہے

کوئی عجز پیکر کوئی خود نگر ہے
جسے آپ چاہیں وہی معتبر ہے

محاسن بھی کچھ قابلِ ذکر ہوں گے
معائب ہی پر آپکی کیوں نظر ہے

محبت کی گہرائیاں اللہ اللہ
وہی جانتا ہے جو بالغ نظر ہے

اُڑان اس کی ہوتی ہے تا شاخِ سدرہ
بظاہر وہ طائر جو بے بال و پر ہے

سرِ حشر رحمت نے اس کو پکارا
کدھر ہے وہ دیوانہ مہری کدھر ہے

۶

زہے قسمت تمنا آج پوری ہو گئی دل کی
تہہِ خنجر ثنا کرتا ہوں میں بازوئے قاتل کی

تلاطم میں ہمیشہ عافیت جس کو میسر ہو
اُسے منجدھار میں بھی فکر کب ہوتی ہے ساحل کی

ہُوَالاوّل، ہُوَالآخر، ہُوَالظاہر، ہُوَالباطن
وجودِ حق تعالیٰ میں ضرورت کیا دلائل کی

زمیں سے عرش تک ہو سیر جس کی آنِ واحد میں
ذرا رفعت تو دیکھے کوئی اُس انسانِ کامل کی

کٹا دیں راہِ حق میں سر تو یہ معراج ہے اپنی
رفاقت ہم سے ہو سکتی نہیں یارانِ باطل کی

ہر اک شے اپنی ضد سے پرکھی جاتی ہے زمانے میں
برائے حق شناسی چاہیئے تصویر باطل کی

دلوں میں ہو صداقت اور جنوں سے ربط قائم ہو
تو گتھی خود سلجھ جاتی ہے پیچیدہ مسائل کی

بھٹکنا راستے سے ان کا ٹھہری غیر ممکن ہے
ہمیشہ پیروی کرتے ہیں جو استادِ کامل کی

○

تفریق کے فتنوں کو سُلا کیوں نہیں دیتے
جو باعثِ شر ہے وہ مٹا کیوں نہیں دیتے

ہمدردیِ باہم کے یہ معنی تو نہیں ہیں
"تم درد تو دیتے ہو دوا کیوں نہیں دیتے"

کیوں کشتۂ اوہام زمانے کو کیا ہے
پردے سے جھلک اپنی دکھا کیوں نہیں دیتے

لڑتے ہیں جو بُت خانہ و کعبہ کی بِنا پر
میخانہ ذرا ان کو دکھا کیوں نہیں دیتے

انسان کا اطلاق ہے دونوں پہ برابر
ہندو کو مسلماں کو بھُلا کیوں نہیں دیتے

واعظ کی بھی ہو جائے گی واللہ زباں گنگ
عرفان کا وہ جام پلا کیوں نہیں دیتے

یہ شرم و حیا اصل میں دوری کا سبب ہے
اس پردۂ بے جا کو ہٹا کیوں نہیں دیتے

ہم دادِ سخن پا کے تو خوش ہو نہیں سکتے
یہ ظلم ہے وہ دادِ وفا کیوں نہیں دیتے

بیتاب ہے سننے کو جسے مہرِؔی بے جاں
وہ مژدۂ جاں بخش سنا کیوں نہیں دیتے

کوششِ پیہم بھی اب تو رائیگاں ہونے لگی
کاروان پر تنگ راہِ کاروان ہونے لگی

شوق سے ہر شب سنا کرتے ہیں وہ کیا بات ہے
خواب آور کیا ہماری داستاں ہونے لگی

کیا قیامت ہے کہ جب میں جور کا خوگر ہوا
چشمِ قہر آلود مجھ پر مہرباں ہونے لگی

اتفاقاً میرے لب پر آ گیا تھا ایک نام
جانے کیوں اس نام سے تسکینِ جاں ہونے لگی

پہلے ان کی ہر ادا مخصوص تھی میرے لیے
آج کیوں وہ فیض بخشِ این و آں ہونے لگی

پھر الکشن کا زمانہ آ گیا ہے خیر سے
دیکھیے پھر معتبر اردو زباں ہونے لگی

شہر میں تو ہر طرف تھا زہد و تقویٰ کا چلن
کیوں مسلسل بیعتِ پیرِ مغاں ہونے لگی

گفتگو کیا تھی کہ گویا پھول برساتے تھے آپ
اب تو ہر بات آپ کی آتش فشاں ہونے لگی

شانِ ستاری کے صدقے ڈھک گئے سارے عیوب
عاصیوں پر رحمتِ حق سائباں ہونے لگی

شیوۂ تسلیم کا ہی یہ اک اعجاز تھا
آتشِ نمرود جس دم گلستاں ہونے لگی

تلاشِ جلوۂ پُر نور بھی ہے
نگاہوں میں مآلِ طور بھی ہے

اگر حق کی طلب ہو تو جہاں میں
معاونِ قصۂ منصور بھی ہے

توقع رکھ کسی موجِ کرم کی
اندھیروں میں شعاعِ نور بھی ہے

حوادث کا ہے مرکز ابنِ آدم
بلاؤں کے لیے مشہور بھی ہے

تو اپنے حق میں جو چاہے بنا لے
محبت نار بھی ہے نور بھی ہے

تمھارا ہاتھ جب شامل ہے اس میں
تباہی پھر ہمیں منظور بھی ہے

"جوابِ جاہلاں باشد خموشی"
خردمندوں کا یہ دستور بھی ہے

ہے ان کا نام لینا بھی عبادت
علاجِ خاطرِ رنجور بھی ہے

ہوا شاعر کی نسبت سے جو مشہور
اک ایسا شہر گورکھپور بھی ہے

رگِ جاں سے بھی اقرب ہے وہ مہری
نگاہوں سے مگر مستور بھی ہے

بچتے ہیں اس لیے ہم اظہار سے بیاں سے
واقف ہو کیوں زمانہ رازِ غمِ نہاں سے

اجڑے ہزار لیکن نکلے نہ گلستاں سے
باز آئے ہم نہ ہرگز تعمیرِ آشیاں سے

تعمیرِ نو کے بدلے تخریب کاریاں ہیں
ہے رہزنوں کی سازش بستی کے پاسباں سے

مانا کہ آندھیوں سے تنکے بکھر گئے تھے
کچھ بال و پر ملے ہیں صیاد کے مکاں سے

لفظِ انا نے آخر فرعون کو ڈبویا
پُرنور ہو کے نکلا منصور کی زباں سے

اک منزلِ سفر ہے یہ بے ثبات دنیا
کرنا ہے کوچ ہم کو اس عارضی مکاں سے

مہمان اپنی روزی لاتا ہے ساتھ اپنے
برکت میں ہے اضافہ ناخواندہ میہماں سے

دنیا کو درسِ عبرت ملتا رہے گا یوں بھی
کچھ میری داستاں سے کچھ ان کی داستاں سے

اُردو اگر نہ ہوگی، پر قوم بھی نہ ہوگی
رہتی ہے قوم زندہ تہذیب سے زباں سے

وہ بھی کرم تھا ان کا آئے تھے ہم جہاں میں
یہ بھی کرم ہے اُن کا جاتے ہیں اب جہاں سے

ہے تجربہ ہمارا ہوتے ہیں آشکارا
انسانیت کے جوہر انسان کی زباں سے

دامانِ صبر مہریؔ چھوڑا کبھی نہ ہم نے
ہر دم رہے گریزاں فریاد سے فغاں سے

کس عشق کے مارے پہ یہ الزام نہیں ہے
دیوانۂ الفت کہاں بدنام نہیں ہے

کس پر کرمِ گردشِ ایام نہیں ہے
"میرا ہی فسانے میں کہیں نام نہیں ہے"

سورج تری یادوں کا مرے ساتھ ہے ہر دم
اب وادیِ غربت میں کہیں شام نہیں ہے

آوارگیِ شوق میں ہم مست ہیں ورنہ
منزل کی اگر پوچھو تو دو گام نہیں ہے

ہر فکر و نظر درپئے تخریب ہے اب تو
تعمیر کی جانب کوئی اقدام نہیں ہے

مہمانِ خصوصی جسے کہیے وہ ہے زردار
فہرست میں مفلس کا کہیں نام نہیں ہے

صیاد کے پھندے میں ہیں سب مرغِ مجازی
شہبازِ حقیقت کے لیے دام نہیں ہے

محفوظ کچھ ایسے تہِ دامانِ کرم ہیں
ہم پر اثرِ گردشِ ایام نہیں ہے

تم زہرِ ہلاہل بھی کرو نوش تو جانیں
الفت کی سند آج فقط جام نہیں ہے

خود ساختہ اصنام سے امداد کے طالب
وحدت کے پرستار کا یہ کام نہیں ہے

خود آ گئے وہ پرسشِ احوال کو مہری
اب کیسے کہا جائے کہ آرام نہیں ہے

ہیں گناہوں پہ گنہگار بھی نازاں کتنے
آج شیطان کے پیرو ہوئے انساں کتنے

یوں تو آباد کیے تم نے بیاباں کتنے
یہ بتادو کہ اجاڑے ہیں گلستاں کتنے

آدمی وہ ہے خطا پر جو پشیماں بھی ہو
ورنہ تاویل کے قائل تو ہیں شیطاں کتنے

ہائے دنیا میں نہیں اب وہ اخوت کا چلن
ہم تو آپس میں ہوئے دست و گریباں کتنے

وقت نے اپنی کسوٹی پہ انھیں یوں پرکھا
کتنے کافر نظر آئے ہیں مسلماں کتنے

دورِ اول ہے کوئی اس کا نہ دورِ آخر
رنگ بدلے گی ابھی گردشِ دوراں کتنے

راز یہ کھل نہ سکا، اہلِ بصیرت گم ہیں
کتنے پوشیدہ ہیں وہ اور نمایاں کتنے

محرمِ راز بنایا جسے چاہا اُس نے
رہ گئے سکتے میں امید بداماں کتنے

ہم کو باطن میں تو حاصل ہے انہی کی قربت
اور ظاہر میں ہیں وہ ہم سے گریزاں کتنے

نقدِ ہستی کے عوض اُن کو خریدا ہم نے
بات کہنے کی نہیں مل گئے ارزاں کتنے

ناقدِ وقت نے بھی خوب سراہا مجھ کو
کتنے سکتے میں ہیں، انگشت بدنداں کتنے

سچ ہے انعام و کرم کی کوئی حد ہے نہ حساب
ایک اک سانس پہ ہیں آپ کے احساں کتنے

یہ بھی منجملۂ فیضانِ رضی ہے مہرؔی
قدرداں آج تمھارے ہیں سخنداں کتنے

آج تک راز میں ہے رازِ حقیقت مہرؔی
اہلِ عرفاں بھی رہے عاجز و حیراں کتنے

سند کہتے ہیں مہری سب انہیں عہدِ بہاراں کی
تبرّک ہو گئی ہیں دھجیاں میرے گریباں کی

گہر افشاں، جواہر خیز ہوتا ہے وہ آئینہ
شعاعیں منتقل پڑتی ہیں جس پر روئے تاباں کی

زہے قسمت ہمارا خوگرِ ماحول ہو جانا
خبر سنتے رہے زنداں میں ہم فصلِ بہاراں کی

ہر اک ذرّہ چمکنے کی صلاحیت نہیں رکھتا
برابر سب پہ پڑتی ہیں شعاعیں مہرِ تاباں کی

کرمہائے نمایاں سے نوازشہائے پنہاں تک
کوئی حد ہے، نہ غایت ہے تمہارے لطف و احساں کی

اُدھر وہ ربِّ ارحم ہے، ادھر یہ بندۂ عاصی
نہ گنتی جود و احساں کی، نہ گنتی جرم و عصیاں کی

تمھارا ذکر کب ہوتا وفا والوں میں اے مہری
شکایت لب پہ لے آتے اگر اُس دشمنِ جاں کی

"صحرا بھی شفق رنگ ہوا خونِ وفا سے"

ممکن ہے کہ مل جائے شفق رنگ حنا سے
ویسے بھی تو ہیں لوگ مرے خون کے پیاسے

ہم کوششِ پیہم سے کبھی باز نہ آئیں
ملتا ہی نہیں رنگِ حنا خونِ وفا سے

قطرے کی بقا بحرِ فنا ہی میں ہے مضمر
ہو جاتے ہیں سب کام بزرگوں کی دعا سے

جس شخص کے دل میں ہے سدا خوف خدا کا
مل کر تو کوئی دیکھے ذرا بحرِ فنا سے

بہتر ہے کہ یہ لفظ ہی آئے نہ زباں پر
وہ شخص تو ڈرتا نہیں مخلوقِ خدا سے

ہے آج بھی دلکش وہی آوازِ حقیقت
کیا کیا نہ ہوئے فتنے بپا لفظِ انا سے

اک درسِ حقیقت ہے یہ افسانۂ رنگیں
گونجی تھی جو عالم میں کبھی غارِ حرا سے

کچھ اور تو بس میں ہی نہ تھا چارہ گروں کے
سرخی بھی ملی ہے اسے خونِ شہدا سے

کچھ خیر کے باعث ہیں تو کچھ بانیٔ شر بھی
تا عمر وہ دیتے رہے رنگین دلاسے

رندوں سے بھی وابستہ ہیں کچھ خاص مسائل
ہیں آدم و حوّا کے سبھی پوتے نواسے

جو گرد اڑا آئے تھے ہم دشتِ جنوں میں
ہر مسئلہ حل ہو نہیں سکتا فقہا سے

وہ گرد بھی منسوب ہے اب خاکِ شفا سے

اے کاش مقدر میں تمھارے بھی ہو مہری
وہ خاص تعلق جو ہے بندے کا خدا سے

○

کبھی نہ چین سے بیٹھے نہ وہ اماں میں رہے
بلا کشانِ محبت جس امتحاں میں رہے

فقیر و شاہ سبھی بے ثبات دنیا میں
مسافروں کی طرح عارضی مکاں میں رہے

خزاں کا دور بھی دیکھا بہار بھی دیکھی
وطن پرست بہر حال گلستاں میں رہے

نظر تو ہو نہ سکی کامیابِ دید اب تک
مگر حضور ہمیشہ مرے گماں میں رہے

مری نہیں میں بھی کچھ مصلحت کے پہلو تھے
کچھ احتیاط کے انداز اُن کی ہاں میں رہے

ہم اپنا کعبۂ مقصد خود آپ ہی نکلے
تمام عمر مگر فکرِ این و آں میں رہے

رہے جو مہر بلب بزمِ ناز میں مہری
قسم خدا کی وہی لوگ بس اماں میں رہے

مسلّم ہے تمھاری بے گناہی
قرائن دے رہے ہیں یہ گواہی
تمھارا ہاتھ شامل ہے جو اس میں
رہے دائم یونہی میری تباہی
ترحّم کی یہ لذّت کیسے پائیں
بجا لائیں جو ہم امر و نواہی
ہوئی اشکِ ندامت سے مجلّیٰ
ہمارے جرم و عصیاں کی سیاہی
کوئی سمجھے تو یہ بھی خوں بہا ہے
مرے قاتل کی دزدیدہ نگاہی
تری بے گانگی سے مطمئن ہیں
سمجھتے ہیں جو رمزِ کم نگاہی
جنوں کے فیض کا صدقہ ہے مہری
فقیری میں ادائے بادشاہی

○

گماں تک میں بھی تُو آیا نہیں ہے — مگر پائے یقیں بہکا نہیں ہے
تخیل میں مرے سب کچھ ہے لیکن — تری تمثیل کا خاکہ نہیں ہے
دل و جاں اس پہ کیوں شیدا ہوئے ہیں — اُسے آنکھوں نے جب دیکھا نہیں ہے
پڑے ہیں خم اُدھر زلفوں میں اُن کی — یہاں قسمت کا بَل نِکلا نہیں ہے
جدھر دیکھو اُدھر تخریب کاری — کہیں تعمیر کا نقشا نہیں ہے
ارے توبہ یہ دورِ نفسی نفسی — اخوت کا تو اب جذبہ نہیں ہے
کیا آبِ عقیدت نے وہ احساں — لباسِ زہد اب میلا نہیں ہے

ادائے شکر سے قاصر ہے مہری
ترے احسان کا بدلہ نہیں ہے

ہر اک شے میں جدا تاثیر تو نے مہرباں رکھ دی
تکلّم میں بلا رکھ دی، خموشی میں اماں رکھ دی

حدیثِ شوق میں ہم نے وہ تاثیر بیاں رکھ دی
کہ جیسے شیخ سعدیؔ کی گلستاں بوستاں رکھ دی

یہی اک داستاں شہکار ہے سب داستانوں میں
کتابِ دل کے اندر ہم نے تفسیرِ جہاں رکھ دی

جہاں دو غیر ملکی گفتگو کرتے ہیں آپس میں
سہولت کے لیے ہم نے وہاں اُردو زباں رکھ دی

تصوّر بھی درِ دیگر کا ننگِ بندگی سمجھے،
عقیدت کی جبیں ہم نے جہاں رکھ دی وہاں رکھ دی

ہمارے پاس مہرؔی ان کے دینے کو بچا کیا ہے
پئے نذرِ عقیدت ہم نے جانِ ناتواں رکھ دی

❋

تسخیرِ دیر و کعبہ سے ہے توہینِ جستجو
محدود دائروں پہ نہ میری نظر گئی
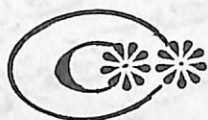
❋

قطعات اور متفرقات

میں سوالی ہوں بس ترے در کا
منتِ غیر کب اٹھاتا ہوں
تو مجھے دے نہ دے تری مرضی
میں کہاں اور در پہ جاتا ہوں

❋

ہوں تو میں بھی ابوالکلام مگر
خامشی کا سبق پڑھاتا ہوں
بے حسی کا نہ دو مجھے الزام
ضبط کی شان میں بڑھاتا ہوں

❋

آپ اعلیٰ ہیں اور میں ادنیٰ
اس حقیقت کو کب چھپاتا ہوں
مجھ کو دعوا برابری کا نہیں
آپ کے سامنے تو آتا ہوں

❋

خوش اطوار گزرے خوش اعمال گزرے
جہاں میں بہت صاحبِ حال گزرے
نہ ہمسر ہوا کوئی مہر علیؓ کا
زمانے میں کیا کیا نہ ابدال گزرے

❋
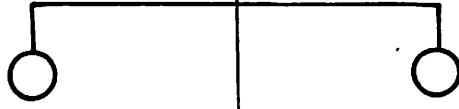
ہوتی ہے اک کو اک پہ فضیلت یہ ہے نظام
وہ پیکرِ رضا ہے اُسے ہے یہ اعتراف
جامِ سکوت پی کے ہے مہری جو شادماں
ساقی کی مصلحت سے نہیں اس کو اختلاف

فنا بقا کے مضامین بے شمار پڑھے
مرا وجود کسی باب میں نہاں نہ رہا
حقیقتِ ابدی نے مجھی کو پیش کیا
مرے دوام کا چرچا کہاں کہاں نہ رہا

جنسِ بقا کا مالک، عالم میں بس خدا ہے
جس کی نہ ابتدا ہے جس کی نہ انتہا ہے
فرما دیا ہے اس نے جب کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا
جس شے کو دیکھتا ہوں آمادۂ فنا ہے
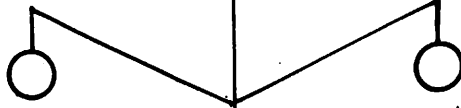
ہمیشہ پاک رکھے جو اُسے گردِ کدورت سے
مثالِ مہر اس شیشہ کی تابانی نہیں جاتی
عداوت، بغض، کینہ کی نہیں ہے اس میں گنجائش
کہ جس دل سے محبت کی فراوانی نہیں جاتی

ہمیشہ رخ بدلتا ہے عجب رفتارِ عالم ہے
گیے ماہِ ربیع الاوّل وگا ہے محرم ہے
حسینؓ ابنِ علیؓ کا خون، جب اعلانِ حق ٹھہرا
نہ جانے کیوں شہادت پر زمانہ وقفِ ماتم ہے

تُو ہے سبطِ خیر الانام اللہ اللہ
وہ سلطانِ عالی مقام اللہ اللہ
دیا سر، رکھی عظمتِ دین جس نے
حسینؓ ابنِ حیدرؓ ہے نام اللہ اللہ

نویدِ خُلد ہر اک شخص کو سنا کے چلے
کسی کو نارِ جہنم سے بھی ڈرا کے چلے
سنا ہے آئے تھے باہر سے ایک مولانا
جو سارے شہر کے لوگوں کو ورغلا کے چلے

واعظ کے قول و فعل پہ ہرگز نہ جایئے
یہ اپنے فن کا مانا ہوا شاہکار ہے
صوفی کا اعتبار، نہ ملا کا اعتبار
سچ پوچھیے تو رند صداقت شعار ہے

ہمارا فعل ہر اک قابلِ مذمّت ہے
ہمیں نے اشک بہائے، ہمیں ندامت ہے
عجیب ہے یہ کرشمہ بھی دستِ وحشت کا
امامِ شہر کو دیکھو رفو کی حاجت ہے

کمالِ عقل سے ممکن ہے بن جائے ارسطو بھی
زمانے میں کسی حد تک تو وہ مشہور ہوتا ہے
ہر اک اہلِ جنوں کو شاہِ دوراں ہم سمجھتے ہیں
کوئی سرمدؒ، کوئی شبلیؒ، کوئی منصورؒ ہوتا ہے

برائے خدمتِ خلقِ خدا ہنس کر مصیبت میں
جو سولی پر بھی چڑھ جائے وہی مشہور ہوتا ہے
اسیرِ پنجۂ باطل معزّز ہو نہیں سکتا
فدائے حق کا یہ منصب ہے وہ منصورؒ ہوتا ہے

اخلاص و صداقت سے انساں کی عظمت ہے
اور مکر و تصنع سے شیطاں کی عزّت ہے
عزّت کی طمع میں تو شیطان نہ بن ناداں
شیطان پہ ہر ساعت اللہ کی لعنت ہے

❋

آزاد ہے انصاف سے یہ ملک ہمارا
انصاف کا اس ملک میں کچھ کام نہیں ہے
جو ملک کے غدار ہیں اور قوم کے دشمن!
ان کے لئے پابندیِ احکام نہیں ہے

❋

لہجے میں شکایت کے انہیں ہم نے لکھا تھا
کیوں ہم سے کوئی نامہ و پیغام نہیں ہے
آنے لگا مکتوبِ جمیل اُن کا مسلسل
اب کیسے کہیں بارشِ اکرام نہیں ہے

❋

مہریؔ ہمیں بھی ان سے تلمذ کا ہے شرف
نسبت بحال رکھتے ہیں اہلِ سخن سے ہم
ہے جانشینِ حضرتِ ناطقؔ جو اک رضیؔ !
رکھتے ہیں رابطہ اسی استادِ فن سے ہم

خوش قسمتی سے خوگرِ ماحول ہو گئے
صحرا کو کیوں برا کہیں صحنِ چمن سے ہم
خواہش نہیں ہے اب کسی دارالسرور کی
مانوس ہو گئے ہیں جو بیت الحزن سے ہم

○

جدا بندوں کی حالت ہے جہاں میں — کوئی بھی ان میں اک جیسا نہیں ہے
ہے بیگانہ کوئی جود و سخا سے — کسی کے ہاتھ میں پیسا نہیں ہے

❋

○

ہے شعر و سخن میں جو بزرگوں سے عقیدت
مہری ہمیں ہر فیض ملا ہے قدما سے
کیا ان سے کہیں جو ہیں روایات کے منکر
واقف ہیں سبھی لوگ جوابِ جہلا سے

○

گردشِ وقت سے حالات جو بگڑے اپنے
آج احباب بھی ہیں ہم سے گریزاں کتنے
سچ تو یہ ہے کہ اندھیرا وہ بلا ہے مہری
اپنے سایہ سے بچھڑ جاتے ہیں انساں کتنے

○

کوئی دیکھے یہ قانون و عدالت
کھلے بندوں یہاں مجرم پناہی
گناہوں پر تو پڑ جاتے ہیں پردے
مگر ہے جرم ناکردہ گناہی

# شمعِ وفا

اے حسینؓ ابنِ علیؓ اے دین کی شمعِ وفا
قصرِ ظلمت میں ترے دم سے اُجالا ہوگیا
رکھی تھی بنیاد جس مکتب کی اسماعیلؑ نے
تیری قربانی سے وہ مکتب دو بالا ہوگیا
دشمنانِ دیں گرے سب تیرگی کے غار میں
ہاتھ پاؤں نیلے اور منہ ان کا کالا ہوگیا
تو اسیرِ پنجۂ باطل نہ ہو کر شاہِ دیںؓ
یوں مٹا حق پر، وفا کا بول بالا ہوگیا
آج زندہ ہے وفا کا نام تیرے نام سے
یوں جلی شمعِ وفا گھر گھر اُجالا ہوگیا
اک طرف چھری دیا اس نے ہمیں درسِ وفا
اک طرف وہ جاں نثارِ حق تعالیٰ ہوگیا

❋

# "حیاتِ جاوداں"

جاں بحق ہونا تو بس آلِ نبیؐ کا فرض تھا
بچہ بچہ تے لہو سے دین کی تعمیر کی
سانحوں پر رنج و غم انساں کی فطرت ہے مگر
جس نے دامن صبر کا چھوڑا بڑی تقصیر کی
حشر تک زندہ رہے گا جذبۂ آلِ نبیؐ
یعنی اس جذبہ کی خود قرآن نے تفسیر کی
"لا تقولوا" کہہ کے قرآں نے تشفی ہم کو دی
پھر حیاتِ جاودانی بخش کر تشہیر کی
جانتے ہیں اہلِ دل اہلِ رضا اس راز کو
ہے جو مستحسن مشیت کاتبِ تقدیر کی
حق پہ مٹ جاؤ تو ملتی ہے حیاتِ جاوداں
کہتی ہے مہری شہادت حضرتِ شبیرؓ کی

# "دارالعمل"

نام دنیا کا حقیقت میں ہے اک دارالعمل
حیف ہے اس آدمی پر جو نکما ہوگیا
کوئی درباں ہے، کوئی معمار ہے، مزدور ہے
کوئی چپراسی، کوئی صاحب کا بیرا ہوگیا

کوئی تاجر، کوئی مستاجر تو کوئی دست کار
باعثِ عزت جہاں میں سب کا پیشا ہوگیا
دورِ حاضر کا یہ مُلّا اور مصنوعی امام
آخرت کو چھوڑ کر دنیا کا شیدا ہوگیا

کسب اک محنت ہے اور محنت کا ملتا ہے ثمر
ترکِ محنت کر کے یہ بالکل نکما ہوگیا
'لیس للانسان الا ما سعیٰ' کو بھول کر
کچھ نہ بن پایا تو یہ مسجد کا ملا ہوگیا

مدرسے کے نام پر جاری ہے چندے کی مہم
سہل کتنا، بے ضرر روزی کا حیلا ہوگیا

'لن تنالوا البرّ' کا دیتا ہے دنیا کو سبق
وعظ کا پہلو بھی اس کا کتنا عمدا ہو گیا

چرمِ قربانی ہو یا فطرہ ہو یا مدِّ زکوٰۃ
مستحق ہر چیز کا یہ خود اکیلا ہو گیا

کوئی پونجی، کوئی لاگت اس تجارت میں نہیں
منفعت ہی منفعت چندے کا دھندا ہو گیا

اب تو ہے تبلیغِ دیں تحصیلِ زر کے واسطے
بندۂ حق ہو کے یہ چندے کا بندا ہو گیا

عزتِ ملی کا اس نے خوب اڑایا ہے مذاق
مصلحت بینی میں یہ لیڈر کا چمچا ہو گیا

رکھ دیے افسوس اس نے شیر مردی کے ہنر
مکر سے یہ فنِّ روباہی میں یکتا ہو گیا

کسبِ روزی کے طریقے تو ہیں مستحسن بہت
بے مشقت، فائدہ بخش آج چندا ہو گیا

رزق تو دیتا ہے رازق ہی مگر مہری یہ دیکھ
"جس نے جو عالم بنا ڈالا وہ اس کا ہو گیا"

# چندہ اور مدرسہ

کسبِ معاش کے لیے لازم ہے مشغلہ
روٹی کہاں سے کھائیں گے دھندا کیے بغیر
اک مولوی کے قول کا یہ اقتباس ہے
تبلیغِ دین ہو گی نہ خرچہ کیے بغیر
اک ترجمہ ہے آیۂ قرآں کا یہ سنیں
نیکی ملے گی کوئی نہ خرچا کیے بغیر
حسنِ سلوک آپ کا درکار ہے اسے
یہ مدرسہ چلے گا نہ چندا کیے بغیر

# گونج اٹھا نعرۂ بزمِ لوح و قلم

فخر اس پر کرے گی یہ اُردو زباں ۔۔۔ تھام لے آج بڑھ کر جو اس کا عَلَم
دشمنوں کی ہے یلغار ہر سمت سے ۔۔۔ یہ تو ہرگز نہ ہوگا کہ ڈر جائیں ہم
یعنی اُردو زباں کی بقا کے لئے ۔۔۔ ہو یہ جذبہ کہ قربان ہو جائیں ہم
آنچ اس پر نہ کوئی مگر آ سکے ۔۔۔ سب زبانوں سے اونچا ہو اس کا عَلَم
صدقِ دل سے ہر اک اس کی خدمت کرے ۔۔۔ ہو وہ اہلِ سخن یا ہو اہلِ قلم
قوم کی بھی بقا جب زبانوں سے ہے ۔۔۔ جذبۂ حبِّ قومی دکھا جائیں ہم
خود فروشی نہیں شیوۂ مرداں ۔۔۔ حوصلہ سر کٹانے کا رکھتے ہیں ہم
سادہ لوحی نے ہم کو ڈبو ہی دیا ۔۔۔ قند سمجھے تھے جس کو وہ آخر تھا سَم
تجربہ ہی زمانے کا استاد ہے ۔۔۔ اس کا قائل زمانہ بھی ہے بیش و کم
آج مہری سے یہ پوچھتے ہیں سبھی ۔۔۔ کون آخر کرے گا مداوائے غم
آج اُردو کی کشتی ہے گرداب میں ۔۔۔ چار جانب سے حائل ہیں طوفانِ غم
اہلِ کشتی ہی برتیں گے غفلت اگر ۔۔۔ ہو سکے گا خدا کا نہ فضل و کرم
خادمانِ ادب کی جو بات آ گئی ۔۔۔ یہ حقیقت بھی سن لیجئے محترم

تجزیہ حق و باطل کا کرتی ہے وہ
کتنی بے باک ہے "بزمِ لوح و قلم"

# قطعۂ تاریخ بہ حمایتِ اردوئے معلّیٰ

یہ سوال اہلِ قلم سے تو کیا ہم نے مدام
کیا نہیں تم نے سنا تھی غمگیں کا پیام
یعنی اُردو کی بقا اور ترقی کے لئے
متحد ہو کے کرو تم کوئی جائز اقدام
خدمتِ علم و ادب شوق سے کرتے جاؤ
تاکہ ہو جائے زمانے میں تمہارا بھی مقام
خدمتِ ملک بھی ہوگی یہ زباں کی خدمت
ہند کی چودہ۱۴ زبانوں میں ہے اُردو کا بھی نام
ہو یہ مقصد کہ پھلے پھولے زبانِ اُردو
اور صحیح معنی میں مل جائے اُسے اس کا مقام
چپے چپے میں گلی کوچے میں چرچا کردو
تاکہ قائل ہوں سبھی اس کے خواص اور عوام
بہرِ تشکیلِ ادب پاس ہو جو بھی تجویز
کہہ کے لبیک بنا دو اسے تم خوش انجام
سعیِ پیہم جو ہو اُردوئے معلّیٰ کے لئے
کامیابی ہو تمھیں اور ہوں دشمن ناکام

ایک اک فرد کہے قوم کا سبحان اللہ
"باعثِ خیر ہوا" آج تمھارا اقدام

۱۳۹۵ھ

قطعہ تاریخ بروفات شاہ فیصل
حسرتا قد قتل امامی
١٣٩٥ھ
حسرتا قد قتل امامی الفیصل
انہ کان رئیس عالم الاسلام
لا تقل انہ میت یا اخی
بل ہو حی لہ بہشت بلا کلام

# "محشر جو چلے گئے حسرتا و احسرتا"

۱۹۷۶ء

## قطعۂ تاریخ بروفاتِ حسرت آیات حضرت محشر عنایتی مرحوم

حسرتا و احسرتا محشر جو رخصت ہو گئے
محفلِ زندہ دلاں برہم ہے یوں اب مطلقاً

شاعروں کا جن سے بہتر تھا نہیں کوئی امام
آہ وہ شاہِ سخن، وہ کاملِ واستادِ فن

شمعِ محفل، جانِ محفل، رونقِ محفل بھی خود
فردِ واحد کیوں کہیں جب تھے وہ تنہا انجمن

رحمتوں کے سائے میں لے کر انہیں ماہِ صیام
چل دیا سوئے جہاں، اے ساکنانِ انجمن

محفلِ رنداں بھی ہے ماتم کدہ اب سربسر
شہرِ خوباں بن گیا ہے مطلقاً بیت الحزن

گلشنِ شعر و ادب کو لگ گئی کس کی نظر
ایک اک کر کے اٹھے جاتے ہیں سب اہلِ سخن

حضرتِ محشر کی رحلت پر یہ مہری نے کہا
اُٹھ گیا "یہ شاہ باز و مردِ میدانِ سخن"

۱۳۹۶ھ

# قطعۂ تاریخ

## بروفاتِ حسرت آیات عمۂ مکرمہ بلقیس جہاں بنتِ مولوی فضلِ حق صاحب

آفتاب رام پوری

## "عمتی راحت الیٰ امن الجنان"

۱۳۹۶ ھ

مضطرب گشتم چو بشنیدم خبر
آہ آہ و آہ آہ و آہ آہ

عمۂ من کرد از دنیا سفر
باز کے گردد چو می آید قضا

ظلِ رحمت بود بہر خانداں
آخر آں نعمت زِ ما زائل شدہ

نعمتِ عظمیٰ پئے خرد و کلاں
کُلُّ نفسٍ ذائقہ حاصل شدہ

حق ورا بخشیدہ است امنِ جناں
"عمتی راحت الیٰ امن الجنان"

گشتہ ام تاریخ او وردِ زباں
بود نامش مہری بلقیسِ جہاں

۱۳۹۶ ھ

# قطعۂ تاریخ
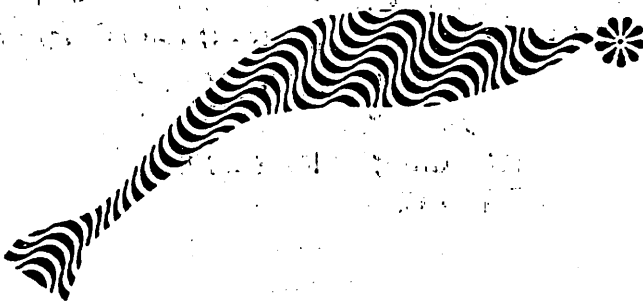
بروفات حسرت آیات شریکِ حیات ام المکارم نسیمہ خاتون

بنتِ حاجی محمد محسن کوکب مرادآبادی

# فضیلت محل

۱۳۹۸ھ

وہ اُمّ المکارم شریکِ حیات — جسے حق نے بخشے تھے صالح عمل
تھی منجملہ مظہرِ نورِ حق — وہ اک آیۂ ربِّ عزّ و جل
صفاتِ حمیدہ سے معمور تھی — بُرائی کا اس میں نہ تھا کچھ دخل
رہی شاد و خنداں ہر اک حال میں — جبیں پر کبھی اُس کی آیا نہ بل
پڑھا ہم نے بہری اُسے غور سے — وہ دیوانِ کوکب کی تھی اک غزل
سراپا رضا تھی جب آئی قضا — خوشی سے کیا نوش جامِ اجل

گئی سوئے جنت وہ دنیا سے جب
لقب اس نے پایا "فضیلت محل"

۱۳۹۸ھ

ہدیۂ عقیدت بہ تقریب مراجعت از زیارت حرمین شریفین بہ جناب مشفق و محترم برادرم فاضل حق۔

"بداد بخت بلندش" نشانِ امنِ دوام
۱۳۹۹ھ
کہ دیدہ است مزارِ حضورِ خیرِ انامؐ
زہے حریمِ تقدس، زہے مقامِ ادب
علی الدّوام علیٰ اَہلِہا درُود و سلام

## بہ جناب رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر مرحوم فرزند رامپور

"خراج عقیدت بدہ" ۱۳۹۹ مہر یا
بصد سالہ جشنِ محمد علی
زہے جوہرِ قابل و بے بہا
"فرو ماندہ در قیمتش جوہری"

وطن پرور و قوم پرور بُد آں — فدا کرد جانش بہ آزادگی
چہ بیباک فطرت چہ ثابت قدم — نہ باز آمد او از فرنگ دشمنی

بہ علم و ادب ہم مقامے گرفت
بلاغت نشاں بود در شاعری
سیاسی، صحافی، سخن آشنا
تخلص بہ جوہر محمد علی

حرّیتِ عوام کا جس کو خیال تھا
آزادیٔ وطن کی اُسے فکر تھی مُدام
ہندوستاں کو آج بھی ہے اُس پہ فخر و ناز
سالارِ قوم جس کا محمد علی تھا نام

اپنے وطن کو جس نے غلامی سے دی نجات
انگریز سے ہمیشہ جو مصروفِ جنگ تھا
برطانیہ کے سامنے جوہر نہ جھک سکا
ہندوستاں میں ایک حریفِ فرنگ تھا

اہلِ نظر نے جوہرِ قابل کہا جسے
ہندوستاں کے ناموروں میں وہ فرد تھا
"ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ اُو"
فرزندِ رام پور وہ آزاد مرد تھا

❋

چیست دانی مہرِ آشفتہ جاں لوح و قلم
کارگاہِ دہر را روحِ رواں لوح و قلم

حق بود بس حق بود لاریب فیہ لاشک فیہ
گر بگویم رونقِ بزمِ جہاں لوح و قلم

ربِّ اکرم لوحِ محفوظ و قلم را ذکر کرد
حرزِ جاں کن حرزِ جاں کن حرزِ جاں لوح و قلم

نکتۂ دیگر بگویم یاد دار اے ہمنشیں
باعثِ تعظیمِ انساں ہر زماں لوح و قلم

مہرؔ یا چوں کرد فرمائش حمیدِ لکھنوی
نظم کردم قطعۂ شایانِ شانِ لوح و قلم

# مَاتَ مُحَقِّقُ الْوَقْتِ قُدُسِیًا

۱۴۰۱ھ

## فِی وَفَاتِ مَوْلَانَا اِمْتِیَاز عَلِی خَان عَرْشِیْ رَامْفُوْرِی

*

"مَاتَ مُحَقِّقُ الْوَقْتِ قُدُسِیًا"
صَارَ مِنْ قُدْسِ نَفْسِہٖ عَرْشِیًا

فِی کُلِّ بَحْثٍ لِلّٰہِ دُرُّہٗ
کَانَ بِالتَّحْقِیقِ فَرْدًا وَاحِدًا

ثَبَتَتْ عَلَی الْعَالَمِ خِدْمَتُہٗ
کَانَ لِلْعِلْمِ وَالْفَنِّ خَادِمًا

کَانَتْ مَسَاکِنُہٗ فِی جَنَّۃٍ
وَاللّٰہِ اِنَّہٗ کَانَ صَالِحًا

فَاقْرَأْ "نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ"
لَا تَنْسَہٗ فِی الدُّعَاءِ مِصْرِیًا

# خطاب بہ مبارک الحق

ایہا الابن المبارک خوش خصال!
اے معینت باد ربِّ ذوالجلال
فضلِ حق باشد ترا مشکل کشا
فیض پیغمبر ترا بخشد کمال
تا توانی رو مگر داں از عمل!
کز عمل روزے شوی آسودہ حال
ہر کہ گیرد در جہاں راہِ عمل
تا قیامت او نگردد خستہ حال
گوہر مقصود یابی از عمل
بے عمل ہرگز نیٖ یا بد کمال
فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ وَاعْمَلْ صَالِحًا
اِنَّہٗ حَیٌّ قَوِیٌّ لَا یَزَال
قُلْ، ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ فِیْ کُلِّ حِیْن
وَاشْکُرِ اللّٰہَ الصَّمَدَ فِیْ کُلِّ حَال

# خطاب بہ مخصوص الحق

اَیُّہَا المخصوص اے ابن رشید
آرزو دارم شوی مردِ سعید
فَاطلُبِ الْعِلمَ اَنْتَ وَ اعمل صالحا
تا شوی مخصوصِ حق اے مرحبا
تا توانی دوستی با علم دار
در جہاں بے علم باشد شرمسار
دولت علم است دولت جاوداں
ایں چنیں دولت بگیرند عاقلاں

چشم دارم من کہ تو عاقل شوی
اے خوش آں روز یکہ تو کامل شوی

# جلوۂ فضلِ حق

کب سے جلوہ مگن فضلِ حق ہے یہاں — فضلِ حق سے سبھی لوگ ہیں شادماں
آفتابِ رسالت کی ہے روشنی — اور مہرِ علیؓ ہے یہاں ضوفشاں
جس طرف دیکھیے نور ہی نور ہے — نور سے جگمگا اٹھے کون و مکاں
روحِ افضالِ حقؒ جب یہاں آگئی — روح پرور ہے وحدت کا یہ گلستاں
ساجدہ بنتِ فاضل کی شادی رچی — مرحبا آگیا کیا مبارک سماں
کوئی فاضل کا دل دیکھ لے تو کہے — وہ مسرت کا ہے قلزمِ بے کراں
دیدنی آج ہے بھائی بہنوں کا حال — امِ ساجد کی ہو کیفیت کیا بیاں
جھومتی ہیں خوشی میں جو خالائیں سب — شاد و خرم نظر آتی ہیں چچیاں
نانی اور ماموں صاحب بھی مسرور ہیں — کیا ہی پُرکیف ہیں آج حاجی میاں
ساجد و راشد و ناصر و طاہرہ — کتنے مسرور ہیں کس قدر شادماں
مخلصہ، محصنہ اور شگفتہ بہن — کوئی دیکھے تو ان کی ذرا شوخیاں
کیوں نہ خوش ہوں فریدہ و فرحانہ بی — لے رہی ہے صبا آج انگڑائیاں
سالمہ راشدہ عاصمہ عاطرہ — اس قدر شادماں ہیں کروں کیا بیاں
بابو اکرامِ حق اور فریدہ و عبید — ہیں سبھی آج دل سے تعاون کناں

قابلِ دید ہے واجدہ کی خوشی
ساجدہ کی ہیں یہ عمۂ مہرباں

ملا چچا کے دل کا تو یہ حال ہے
جیسے سرسبز و شاداب اک گلستاں

بزم پر فضلِ باری ہے چھایا ہوا
وجد میں ہیں مبارک مکارم میاں

ہیں گلِ تر کچھ ایسے جو مخصوص ہیں
بزم شادی میں ہیں وہ بھی عنبر فشاں

مثلِ گلدستہ سب آج یکجا ہوئے
جملہ خرد و کلاں جملہ پیر و جواں

آیئے ہاتھ اٹھائیں دعا کے لئے
پیشِ ربِّ جہاں خالقِ انس و جاں

ہو مبارک بھی اور باعثِ خیر بھی
ساجدہ کی یہ شادی بپئے خانداں

اس کا شوہر ہمیشہ رہے اس سے خوش
دل سے شوہر کی ہو وہ اطاعت کناں

ہے عتیق اس کا شوہر گرامی ہے جو
غیر ممکن ہے اس پر نہ ہو مہرباں

پاک طینت بھی ہے پاک سیرت بھی ہے
اور ذی علم بھی ہے وہ مردِ جواں

دونوں باہم رہیں بنکے شیر و شکر
حافظ و ناصر ان کا ہو ربِّ جہاں

ان سے خود ہے دعاؤں کا طالب امام
مہرِ خستہ جاں، مہرِ خستہ جاں

مخلصہ، محصنہ نے لکھی تہنیت
جلوۂ فضلِ حق ہے اسی سے عیاں

# قطعہ تاریخ

## بروفات حسرت آیات مولوی حافظ مفاضل الحق مہری رامپوری

## اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّابِرِیْنَ

کیا لکھوں مفلوج ہیں عقل و خرد ذہن و ذکا
طول ہوتا جا رہا ہے رنج و غم کا سلسلہ

حضرتِ استاذ کا غم دل ابھی بھولا نہ تھا
مرگِ مہری کی خبر سنتے ہی غم دُہرا ہوا

ہاں! وہ مہری جو مریدِ مہر علی شاہؒ تھا
آہ! صد افسوس وہ دنیا سے رخصت ہو گیا

صدمۂ جاں کاہ سے دل مضطرب ہونے لگا
غم میں حافظ جی کے ہر چھوٹا بڑا رونے لگا

ضبطِ غم جب اہلِ خانہ سے نہ ممکن ہو سکا
صبر کی تلقین کوئی اس طرح کرنے لگا

وَاصْبِرُوْا پر رکھ نظر اور صبر سے لے کام تو
صبر کرنے والوں کے ہے ساتھ حق سُبْحَانَہٗ

کیجیے مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت
بارگاہِ ایزدی میں با وضو و قبلہ رُو

تو ہے ستار العیوب و غافِرُ الذَّنْبِ الذُّنُوْب
میرے عیبوں کو چھپا لے چادرِ رحمت میں تو

میرے مالک میرے مولیٰ میرے رحمٰن و رحیم
بالیقیں بیشک بڑا رحم و کرم والا ہے تو

تیری رحمت سے کبھی مایوس ہو سکتا نہیں
بندۂ عاجز ترا ہے عامِلِ لَا تَقْنَطُوْا

چل دیے اس دارِ فانی سے سوئے دار البقا
مولوی حافظ مفاضل حق مہری نیک خو

مصرعۂ تاریخ موزوں ہے یہ لکھ دے اے رفیق
چار شنبہ ہفت ذی قعدہ و سن تنظیم ہو

۵۰ ـــــــــــ
۱۴۱۱ھ　　۱۹۴۱　　۱۹۹۱ء

رفیق بارہ بنکوی

# آہ! حافظ مفاضل الحق مہری

ابو المجاہد زاہد

خوش بیاں، خوش مقال تھے مہری
شاعرِ خوش خیال تھے مہری

نام نامی مفاضل الحق تھا
مہرِ فضل و کمال تھے مہری

حافظ و قاریٔ کلام اللہ!
کتنے فرخندہ فال تھے مہری

حسنِ اخلاق و حسنِ سیرت کی
ایک اعلیٰ مثال تھے مہری

اپنے دریائے زندگانی میں
مثلِ آبِ زلال تھے مہری

محفلِ اہلِ دل کے صدر نشیں
صاحبِ وجد و حال تھے مہری

داخلِ جنتِ نعیم ہوئے
مومنِ خوش خصال تھے مہری

# مہری

رئیسؔ رام پوری

دہر سے آہ اٹھ گیا مہری | ہمدم و یارِ باصفا مہری!
مہرِ انس و خلوص تھا مہری | آدمی تھا بہت بھلا مہری
اُس پہ راہِ سلوک روشن تھی | نسبتِ مہر سے وہ تھا مہری
آئینہ دار تھا شریعت کا | متقی اور پارسا مہری
زندگی کی کتاب روشن تھا | پاکباز اور بے ریا مہری
عالم و حافظِ کتابِ کریم | شاعرِ خوش کلام تھا مہری
اس کو حاصل تھی رفعت کردار | آدمی تھا بہت بڑا مہری
پیکر خلق و آدمیت تھا | خوش مذاق اور خوش ادا مہری
باوجودِ ہزار رنج و الم | مسکراتا ہوا رہا مہری
ہاں عبارت تھی اُس سے زندہ دلی | کیسا باغ و بہار تھا مہری
زندہ رہنے کو صبر و ضبط کے ساتھ | گر مجھے بھی سکھا گیا مہری
میرا محسن تھا میرا دوست تھا وہ | میرے دل کا قرار تھا مہری
ہائے افسانہ ہو گیا وہ بھی | ہائے دنیا سے چل بسا مہری

دُور دل سے تو ہو نہیں سکتا
دُور نظروں سے ہو گیا مہری

## سانحہ ارتحال مولوی مفاضل الحق صاحب مہری

ہو چکے طے سبھی مراحل چل
حق سے ہونا ہے تجھ کو واصل چل
رب کا پیغام یہ قضا لائی
دار فانی سے اے مفاضل چل

۱۴۱۱ھ

سلطان نظامی

## ذکر مہری

زیور علم سے معمور تھے جدّی عالم
ہم زباں پر ہے یہ اعلان پیارے مہری جی
جس طرح اور کئی بندۂ حق گذرے ہیں
آج دنیا سے سوئے خلد گئے مہری جی

ڈاکٹر فرید صدیقی

# کچھ مرتب کے بارے میں

نام : مکارم الحق

تخلص : مکارم

ولدیت : حافظ مفاضل الحق مہری رام پوری

جائے پیدائش : کوچہ لالہ میاں۔ رام پور۔ یو پی

تاریخ پیدائش : ۱۲ر جنوری ۱۹۵۵ء

تعلیم : حافظ، ایم اے (اردو) روہیل کھنڈ یونیورسٹی

شرف تلمذ : حضرت خیال رام پوری

شعری سفر کی ابتدا : ۱۹۷۶ء

تالیف : "افسانہ ہو گئے" (۱۹۸۱ء)

مشغلہ : مطالعہ

پیشہ : تجارت

مستقل پتہ : فضیلت محل لکھنؤ گوٹہ اسٹور۔ دکان نمبر ۱۵
شاداب مارکیٹ۔ رام پور

❋

مثل آئینہ ہر اک شخص نے دیکھا مجھکو
کوئی ناقص مجھے سمجھا کوئی کامل سمجھا